نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظه حتی یبلغه

مدیر:

حافظ زبیر علی زئی

محرم ۱۴۳۱ھ جنوری ۲۰۱۰ء

- یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے
- نمازِ عید کے بعد تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَ مِنْکَ کہنا
- گاؤں میں نمازِ جمعہ کی تحقیق
- قربانی کے چار یا تین دن؟
- محدثینِ کرام نے ضعیف روایات کیوں بیان کیں؟

حضرو اٹک: پاکستان

www.ircpk.com www.ahlulhadeeth.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 7 | محرم ۱۴۳۱ھ جنوری ۲۰۱۰ء | شمارہ: 1

قیمت

فی شمارہ : 20 روپے

سالانہ : 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

300 روپے

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0302-5756937

اس شمارے میں

کلمۃ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے

عبدالحق بشیر دیوبندی بن سرفراز خان صفدر کڑمنگی دیوبندی کے بیٹے سرفراز حسن خان حمزہ احسانی نے دیوبندی پارٹی ''اتحاد'' کی نئی باڈی کے بارے میں لکھا ہے:

''نئی باڈی کی اس تیز رفتاری اور جہد مسلسل کے پیچھے غالباً حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ کی توجہ کارفرما ہے جس کو مولنا منیر احمد منور مدظلہ نے یوں بیان فرمایا کہ ''ایک موقع پر ہم اور دیگر حضرات اکٹھے تھے، علامہ صاحب نے ایک سوال کیا کہ یہ بتایئے کہ پاکستان میں سب سے زیادہ غیر مقلدیت کے خلاف کام کہاں ہوا؟ ہم نے علامہ صاحب سے کہا کہ آپ ہی جواب دیجئے! تو فرمایا ''گوجرانوالہ میں!'' (امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے سب سے زیادہ کام کیا۔) پھر علامہ صاحب نے دوسرا سوال کیا کہ ''پاکستان میں غیر مقلدیت سب سے زیادہ مضبوط کہاں ہے؟'' ہم نے کہا ''یہ بھی آپ ہی بتایئے!'' تو فرمایا ''گوجرانوالہ میں!'' (گوجرانوالہ کے مشہور غیر مقلد نے اپنی وفات کے وقت کہا تھا کہ جب میں آیا تھا تو گوجرانوالہ میں اہلحدیثوں کی دو مساجد تھیں اور اب 52 مساجد ہیں۔) پھر علامہ صاحب نے سوال کیا کہ ''اسکی کیا وجہ ہے کہ کام بھی سب سے زیادہ گوجرانوالہ میں ہوا اور غیر مقلدیت مضبوط بھی گوجرانوالہ میں ہی ہے؟'' ہم نے کہا ''یہ عقدہ بھی آپ ہی حل فرما دیجئے!'' تو فرمایا کہ ''گوجرانوالہ میں جو کام ہوا ہے وہ علمی سطح پر ہوا ہے، جبکہ غیر مقلدیت عوامی سطح پر مضبوط ہے اور تیزی سے پھیل رہی ہے، لہٰذا اب ضرورت ہے اس بات کی عوامی سطح پر بھرپور طریقہ نے منظّم کام کیا جائے، تا کہ اس کا سدباب ہو سکے۔'' تو مولانا منیر صاحب نے فرمایا کہ ''اسی کی خاطر ہم نے اس انداز میں کام شروع کیا ہے اور الحمدللہ اس کے فوائد سامنے آ رہے ہیں۔'' (دیوبندیوں کا مجلّہ المصطفیٰ سرفراز خان صفدر نمبر ص ۲۷۳)

مذکورہ بیان میں اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کے لئے ''غیر مقلدیت'' اور ''غیر مقلد'' کے الفاظ تو دیوبندیوں کی بکواس ہے لیکن درج بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آلِ دیوبند نے اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کی جتنی مخالفت کی ہے، اس کے باوجود اہلِ حدیث دعوت مسلسل دن رات پھیلتی جا رہی ہے۔ والحمدللہ

(۱۳/نومبر ۲۰۰۹ء)

حافظ زبیر علی زئی

اضواء المصابیح

۲۰۷) وعن شقيق : كان عبدالله بن مسعود يذكّر الناس في كل خميس . فقال له رجل :يا أبا عبدالرحمٰن ! لوددتُ أنك ذكرتنا في كل يوم . قال : أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملّكم وأني أتخولكم بالموعظة كما كان رسول الله ﷺ يتخولنا بها مخافة السآمة علينا . متفق عليه .

اور شقیق (بن سلمہ، ابووائل رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ (سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) لوگوں کو جمعرات کے دن وعظ و نصیحت کرتے تھے پھر انھیں ایک آدمی نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ و نصیحت کرتے، انھوں نے فرمایا: مجھے اس سے یہ بات روکتی ہے کہ میں تمھیں اکتاہٹ میں مبتلا کرنا ناپسند کرتا ہوں اور میں تمھیں کبھی کبھار وعظ و نصیحت اسی طرح کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمیں کبھی کبھار وعظ و نصیحت کرتے تھے، اس خوف کی وجہ سے چاہتے تھے کہ ہم اکتا نہ جائیں۔

متفق علیہ (صحیح بخاری: ۷۰، صحیح مسلم: ۲۸۲۱/۸۲)

فقہ الحدیث:

۱: وعظ و نصیحت کی طوالت اور اختصار میں موقع محل اور عام سامعین کا خیال رکھنا مسنون ہے۔

۲: دعوتی تقاریر اور تبلیغ کے لئے کوئی دن مخصوص کر لینا جائز ہے۔

۳: رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

۴: جو لوگ ساری ساری رات یا رات کے بہت زیادہ حصے میں دھواں دھار تقریریں کرتے رہتے ہیں اور پھر صبح کی نماز سے غافل ہو کر سو جاتے ہیں، اُن کا یہ عمل غلط اور

قابلِ مذمت ہے۔

۵: سائل کے سوال کا جواب دلیل سے دینا چاہئے۔

٦: اگر کوئی پوچھے کہ حدیثِ مذکور میں سائل سے مراد کون ہیں؟ تو عرض ہے کہ ان سے مراد مشہور زاہد و عابد یزید بن معاویہ النخعی رحمہ اللہ ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اشارہ کیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری (۱/۱٦۴ح ۷۰)

یاد رہے کہ یہ مشہور یزید بن معاویہ الاموی کے علاوہ دوسرے شخص تھے، ان کی روایتیں کتاب الزہد للامام احمد وغیرہ (اور ان کا ذکر صحیح بخاری میں جیسا کہ تقریب التہذیب: ۷۷۷٦ میں ہے) میں موجود ہیں اور قاضی ابوبکر بن العربی المالکی کو اپنی کتاب ''العواصم من القواصم'' (ص ۲۳۲ ـ ۲۳۳) میں عجیب غلطی لگی تھی۔

وہ یزید بن معاویہ النخعی کو یزید بن معاویہ الاموی سمجھ بیٹھے، حالانکہ ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے۔

(دیکھئے کتاب الزہد للامام احمد ص ۳٦۷ ح ۲۱۵۰)

قاضی ابوبکر نے کتاب الزہد سے جو روایت منسوب کی ہے وہ اصل کتاب میں نہیں ملی اور نہ دنیا کی کسی کتاب میں امام احمد کی سند سے ملی ہے۔

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا درج ذیل قول علامہ ابن الجوزی نے نقل کیا ہے:

'' فأنبأنا أبو بكر محمد بن عبدالباقي البزاز عن أبي إسحاق البرمكي عن أبي بكر عبدالعزيز بن جعفر قال : ثنا مهنا بن يحي قال: سألت أحمد عن يزيد بن معاوية فقال: هو الذي فعل بالمدينة ما فعل . قلت: و ما فعل ؟ قال: نهبها ، قلت: فنذكر عنه الحديث؟ قال: لا يذكر عنه الحديث و لا ينبغي لأحد أن يكتب عنه حديثاً . قلت : ومن كان معه حين فعل ما فعل ؟ قال: أهل الشام '' مہنا بن یحییٰ سے روایت ہے کہ میں نے احمد (بن حنبل) سے یزید بن معاویہ (الاموی) کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: وہ وہی ہے جس نے مدینے

والوں کے ساتھ وہ کرتوت کئے جو اس نے کئے، میں نے کہا: اس نے کیا کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا: اُس نے مدینے کو لوٹا تھا۔ میں نے کہا: کیا ہم اُس سے حدیث بیان کر سکتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، اس سے حدیث بیان نہیں کرنی چاہئے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اُس سے ایک حدیث بھی لکھے۔ میں نے کہا: جب اس نے وہ حرکتیں کی تھیں تو لوگوں میں سے کون اُس کے ساتھ تھا؟ انھوں نے فرمایا: اہلِ شام اس کے ساتھ تھے۔

(الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید لابن الجوزی ص ۴۰ وسندہ حسن)

اس روایت کی سند حسن ہے۔

محمد بن عبدالباقی بن محمد بن عبداللہ الانصاری قاضی مرستان جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے۔ نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۲۳/۲۰۔۲۸)

انھیں ابن الجوزی نے (ثقہ) ثبت حجۃ قرار دیا۔

دیکھئے المنتظم (۱۴/۱۸، وفیات ۵۳۵ھ) اور سیر اعلام النبلاء (۲۶/۲۰)

ابو اسحاق البرمکی صدوق تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۳۹/۶)

محمد بن عبدالباقی کی اُن سے روایت بطریقۂ سماع نہیں بلکہ بطریقۂ اجازت ہے جو کہ جمہور محدثین کے اصول سے مقبول ہے۔

عبدالعزیز بن جعفر روایت میں ثقہ تھے۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۴۴/۱۶)

مھنا بن یحییٰ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے۔

۲۰۸) وعن أنسٍ قال: كان النبي ﷺ إذا تكلم بكلمةٍ أعادها ثلاثًا حتى تفهم عنه و إذا أتى علىٰ قومٍ فسلّم عليهم سلّم عليهم ثلاثًا. رواه البخاري.

اور (سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب کوئی (اہم) بات کرتے تو تین دفعہ وہ بات کرتے تاکہ لوگ سمجھ لیں۔ اور جب آپ کسی قوم کے پاس جاتے تو (اجازت لینے کے لئے) انھیں تین دفعہ سلام کہتے تھے۔

اسے بخاری (۹۵) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: تقریر، تبلیغ اور نصیحت وغیرہ کے دوران میں اہم بات دو تین دفعہ دہرانی چاہئے تاکہ مخاطب اسے سمجھ کر یاد کرلے۔

۲: تین دفعہ سلام کہنے سے مراد کسی گھر یا جگہ میں داخل ہونے کے لئے سلام کہنا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری کی کتاب الاستئذان میں تبویب سے ظاہر ہے اور علمائے کرام نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

۲۰۹) وعن أبي مسعود الأنصاري قال جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال : إنه أبدع بي فاحملني . فقال : ((ما عندي .)) فقال رجل : يا رسول الله ! أنا أدله على من يحمله . فقال رسول الله ﷺ :

((من دل على خيرٍ فله مثله أجر فاعله .)) رواه مسلم .

اور (سیدنا) ابو مسعود الانصاری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے پاس آکر کہا: میری سواری ضائع ہوگئی ہے آپ مجھے سواری عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس سواری نہیں ہے۔ پھر ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں اسے اُس کی طرف راہنمائی کرتا ہوں جو اسے سوار کرلے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص خیر (کسی اچھی بات) کی طرف راہنمائی کرتا ہے تو اسے اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا اس خیر پر کام کرنے والے کو ملتا ہے۔ اسے مسلم (۱۸۹۳/۱۳۳) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: نیکی کی طرف دعوت دینے والے کی بات پر جو لوگ عمل کریں گے تو اُن لوگوں کے ساتھ ساتھ دعوت دینے والے کو بھی ثواب ملے گا۔

۲: خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا بہت اچھا اور اجر وثواب والا کام ہے۔

۳: ایک دوسرے سے ماتحت الاسباب تعاون مانگنا جائز ہے۔

۴: مشکل کشا صرف ایک اللہ ہے، جس کے پاس بے حد وانتہا خزانے ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

خلع والی عورت کی عدت ایک مہینہ ہے

سوال جو عورت اپنے شوہر سے خُلع لے، اُس عورت کی عدت کتنی ہے؟ کیا عام عورتوں کی طرح وہ نکاح ختم ہونے کے بعد تین حیض یا وضعِ حمل کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے؟ دلیل اور تحقیق سے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً (ایک سائل)

الجواب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) کی بیوی (قولِ مشہور میں حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے شوہر سے خلع لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں حکم دیا کہ وہ ایک حیض کی عدت گزاریں۔

روایت کی تخریج کے لئے دیکھئے سنن الترمذی (١١٨٥م، وقال: ''حسن غریب'') سنن ابی داود (٢٢٢٩) اور المستدرک للحاکم (٢٠٦/٢ ح ٢٨٢٥ وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی فی تلخیصہ)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور اسے امام عبدالرزاق کا مرسلاً بیان کرنا علتِ قادحہ (وجۂ ضعف) نہیں بلکہ زیادتِ ثقہ کی مقبولیت کے اُصول سے یہ روایت مرسلاً اور متصلاً دونوں طرح صحیح ہے۔

سنن الدارقطنی (ج ٣ ص ٢٥٥ ح ٣٥٨٩) میں صحیح سند کے ساتھ ہشام بن یوسف کی بیان کردہ اس روایت میں '' **فجعل النبي صلی اللہ علیہ وسلم عدتها حيضة و نصفًا** '' کے الفاظ آئے ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت ڈیڑھ حیض مقرر فرمائی۔ اس کی سند بھی حسن لذاتہ ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ خلع لینے والی عورت کی عدت ایک مہینہ ہے۔

ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا نے (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں) خلع لیا پھر انھوں نے (سیدنا) عثمان (رضی اللہ عنہ) سے عدت کے بارے میں پوچھا تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: تم پر کوئی عدت نہیں ہے اِلا یہ کہ وہ (شوہر) تمھارے پاس تھا اور تم نے تازہ تازہ خلع

لیا ہے تو ایک حیض عدت گزارے گی۔ (سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی اتباع کرتا ہوں جو آپ نے مریم المغالیہ (رضی اللہ عنہا) کے بارے میں فرمایا تھا۔ (سنن النسائی ج ۶ ص ۱۸۶۔ ۱۸۷ ح ۳۵۲۸ وسندہ حسن واللفظ لہ، سنن ابن ماجہ: 2058، وقال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری ۳۹۹/۹ تحت ح ۵۲۷۳: "و إسناده جيد")

مریم المغالیہ سے مراد ثابت بن قیس رضی اللہ عنہما کی وہ بیوی ہے، جس نے اُن سے خلع لیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں ایک حیض کی عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔

دیکھئے الاصابہ (جلد واحد ص ۱۷۶۶)

عین ممکن ہے کہ مریم المغالیہ سے مراد حبیبہ بنت سہل کے علاوہ کوئی اور ہو۔ واللہ اعلم

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ربیع (بنت معوذ رضی اللہ عنہا) نے اپنے شوہر سے خلع لیا پھر اُس کا چچا (سیدنا) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو انھوں نے فرمایا:

وہ ایک حیض کی عدت گزارے گی۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ پہلے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ وہ تین حیض کی عدت گزارے گی، جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فتویٰ دیا تو پھر وہ اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور فرماتے تھے:

وہ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور سب سے زیادہ علم والے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱۴ ح ۱۸۴۵۶، وسندہ صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سابقہ فتوے سے رجوع کر لیا تھا۔

امام نافع مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱۴ ح ۱۸۴۵۵، وسندہ صحیح)

اس مسئلے میں حنفی وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ خلع والی عورت مطلقہ کی طرح تین مہینے یا وضع حمل کی عدت گزارے گی لیکن درج بالا حدیث، خلیفۂ راشد کے فیصلے اور صحابیٔ رسول کے فتوے کی وجہ سے راجح یہی ہے کہ وہ ایک مہینہ عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

(۷/ نومبر ۲۰۰۹ء)

خلع کے بعد عورت اور سابقہ شوہر کا دوبارہ نکاح؟

سوال کیا خلع کے بعد عورت اپنے اُس شوہر سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے، جس سے خلع لیا ہے؟ (ایک سائل)

الجواب ایسی حالت میں خلع لینے والی عورت اپنے سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**أخبرنا سفیان بن عیینة عن عمرو بن دینار عن طاؤس عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه في رجل طلق امرأته تطلیقتین ثم اختلعت منه بعد فقال: یتزوجها إن شاء ....** '' ایک آدمی نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں پھر اس کے بعد اس عورت نے اپنے شوہر سے خلع لے لیا تو اس کے بارے (سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ چاہے تو اس سے (دوبارہ) نکاح کرسکتی ہے... (کتاب الام ج۵ص۱۱۴)

اس اثر کی سند صحیح ہے۔

اگر سفیان بن عیینہ سے امام شافعی نے روایت کی ہو تو یہ روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔
دیکھئے النکت للزرکشی (ص ۱۸۹) اور الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۴۲)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خلع کو فسخ سمجھتے تھے لہٰذا وہ اس کے بعد دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح کو جائز سمجھتے تھے۔یعنی ''**طلقها تطلیقة** '' کی رو سے اگر شوہر ایک طلاق دے بھی دے تو پھر بھی فسخ ہے۔

ثقہ تابعی میمون بن مہران رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**یتزوّجها و یسمّی لها مهرًا جدیدًا .** '' وہ اگر چاہے تو نکاح کرے گا اور نیا حق مہر باندھے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۵/۱۲۲ ح ۱۸۵۰۴، وسندہ صحیح)

امام ابن شہاب الزہری نے فرمایا: اس نے (اگر) جو رقم اس عورت سے لی ہے تو اس سے کم حق مہر کے ساتھ اس سے نکاح نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۵/۱۲۲ ح ۱۸۵۰۳، وسندہ صحیح)

حالتِ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ملانا؟

سوال حالتِ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر رکھنا چاہیئے یا نارمل ہی رہنے دیا جائے؟ (ایک سائل)

الجواب ایک حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"**أن النبي ﷺ کان إذا سجد ضمّ أصابعه .** "نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنی انگلیاں ملا لیتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۶۴۲، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۱۹۱۷، دوسرا نسخہ: ۱۹۲۰، المستدرک للحاکم ۱/۲۲۷ ح ۸۲۶ وقال: "صحیح علیٰ شرط مسلم" ووافقہ الذہبی فی تلخیصہ، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۱۱۲، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲/۱۹ ح ۲۶ وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۲/۱۳۵: "إسناده حسن" سنن الدارقطنی ۱/۳۳۹ ح ۱۲۶۸، البدر المنیر لابن الملقن ۳/۶۶۸ وقال: "هذا الحديث صحيح"، الاوسط لابن المنذر ۳/۱۶۹، اصل صفة الصلوٰة علی النبي ﷺ للالباني ۲/۷۲۶۔۷۲۲ وقال: "هو إسناد حسن")

اگرچہ بہت سے علماء نے اسے صحیح یا حسن کہا ہے لیکن ہشیم بن بشیر الواسطی مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے، ہمارے علم کے مطابق اس روایت کی کسی سند میں سماع کی تصریح نہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھئے بلوغ المرام (۲۳۷ بتحقیقی)

اگر کوئی (مثلاً شیخ عبدالرحمٰن عزیز یا محمد اشتیاق اصغر) کہے کہ آپ نے تسہیل الوصول إلی تخریج صلوٰۃ الرسول (طبع اول ص ۲۶۷، طبع ۲۰۰۵ء ص ۲۱۴) میں اس روایت کو صحیح لکھا ہے اور نمازِ نبوی (ص ۱۸۰) میں اس سے استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے عبدالرحمٰن عزیز کی صحیح نماز نبوی ص ۱۸۱)

تو عرض ہے کہ راقم الحروف نے بار بار اعلان کیا ہے کہ میری صرف وہی کتاب معتبر ہے، جسے مکتبۃ الحدیث حضرو یا مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد/ لاہور سے شائع کیا گیا ہے یا اُس کتاب کے آخر میں میرے دستخط ہیں۔ مثلاً دیکھئے مقدمۃ القول المتین فی الجہر بالتامین (ص ۱۲، دوسرا نسخہ ص ۱۹، نوشتہ ۲۲/ دسمبر ۲۰۰۳ء) اور ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۷ ص ۶۰ (نوشتہ ۱۵/ جون ۲۰۰۶ء)

اس واضح اعلان کے بعد بعض الناس کا راقم الحروف کے خلاف نماز نبوی نامی کتاب یا صلوٰۃ الرسول کی تخریج کے حوالے پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

ہر صاحبِ انصاف کے نزدیک معقول عذر مقبول ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میرے دستخطوں کے بغیر بھی ''نماز نبوی صحیح احادیث کے روشنی میں۔تصحیح و تخریج سے مزین جدید ایڈیشن'' مطبوعہ دار السلام میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔ (دیکھئے ص ۲۲۴ تا ۲۲۶)

امام ہشیم کی روایتِ مذکورہ کی تحقیق کے بعد عرض ہے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں آیا ہے: ''**كان النبي** صلی اللہ علیہ وسلم **... و إذا سجد وجه أصابعه قبل القبلة**'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنی انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف کرتے۔ (نصف الرایہ ۱/۳۷۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۱۱۳، اصل صفۃ الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم للالبانی ۲/۶۳۹ وقال: وسندہ صحیح کما فی الدرایہ [۷۹])

اس روایت کی سند صحیح نہیں بلکہ دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: ابو اسحاق السبیعی مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۳/۹۱)

دوم: زکریا بن ابی زائدہ مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔ (دیکھئے الفتح المبین ص ۳۸)

اس کا ایک ضعیف شاہد کتاب الاوسط لابن المنذر (۳/۱۶۹، فیہ حارثہ بن محمد وھو ضعیف) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۲۶۴ ح ۲۷۱۲) وغیرہما میں بھی موجود ہے۔

جو لوگ حسن لغیرہ کو حجت بنائے بیٹھے ہیں، اُن کی شرط پر یہ تین ضعیف روایتیں ایک دوسرے سے مل کر حسن لغیرہ بن جاتی ہیں۔!

اسی ضعیف روایت پر اگر عمل کیا جائے، ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کو اگر قبلہ رُخ کیا جائے تو تقریباً ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں اور علیحدہ کرنے کی صورت میں اُن کا رخ قبلے سے پھر سکتا ہے۔

امام محمد بن سیرین (ثقہ تابعی) نے فرمایا کہ لوگ یہ پسند کرتے تھے کہ سجدے میں

ہاتھوں کی انگلیاں ملائی جائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۰ ح ۲۶۷۱ وسندہ صحیح)

امام حفص بن عاصم (ثقہ تابعی) نے عبدالرحمٰن بن القاسم (ثقہ تبع تابعی) سے فرمایا: اے بھتیجے! سجدے میں ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر انھیں قبلہ رُخ کر دے کیونکہ چہرے کے ساتھ ہاتھ سجدہ کرتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۰ ح ۲۶۷۳ وسندہ صحیح)

امام سفیان ثوری سجدے میں انگلیاں ملاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۰ ح ۲۶۷۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی ہتھیلیوں کو سجدے میں قبلہ رُخ کرنے کے قائل تھے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۴ ح ۲۷۱۳ وسندہ صحیح، ۲۷۱۸، ۲۷۱۹ وسندہ صحیح)

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ سجدے میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر قبلہ رخ رکھنا صحیح وراجح ہے۔ واللہ اعلم (۸/ نومبر ۲۰۰۹ء)

اگر ڈاکو آجائے تو گھر والے کیا کریں؟

سوال اگر کسی شخص کے گھر میں کوئی ڈاکو آجائے اور گھر والے کا مال لُوٹنا چاہے اور یہ بھی ڈر ہو کہ اگر گھر والا اسے مطلوبہ مال نہیں دیتا تو وہ اُسے قتل کر دے گا۔

ایسی حالت میں گھر والا کیا کرے؟

کیا وہ اپنا مال بچاتے ہوئے اس ڈاکو سے جنگ کر سکتا ہے اور کیا وہ اسے قتل کر سکتا ہے؟

(ایک سائل)

الجواب اس مسئلے کا حل صحیح حدیث میں موجود ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے، اگر ایک آدمی آ کر میرا مال چھیننا چاہے تو (میں کیا کروں)؟

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تُو اسے اپنا مال نہ دے۔

اُس نے کہا: اگر وہ (ڈاکو) میرے ساتھ جنگ کرے تو؟

آپ (ﷺ) نے فرمایا: تُو اُس کے ساتھ جنگ کر۔

اُس نے کہا: اگر اُس نے مجھے قتل کردیا تو؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: تَو پھر تُو شہید ہے۔

اُس نے کہا: اگر میں اُسے قتل کردوں تو؟

آپ (ﷺ) نے فرمایا: اگر تو اُسے قتل کردے تو وہ، آگ (جہنم) میں ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۴۰، ترقیم دارالسلام: ۳۶۰، مترجم ج ۱ ص ۲۳۴، صحیح ابی عوانہ ج ۱ ص ۴۴، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۹ ح ۹۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۲۶۶۔ ۲۶۷، ۸/ ۳۳۵۔ ۳۳۶)

امام بغوی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (شرح السنہ ۱۰/ ۲۴۸ تحت ح ۲۵۶۳)

اور عام اہلِ علم سے نقل کیا ہے کہ ایسی حالت میں ڈاکو کا خون ضائع ہے اور گھر والے پر کوئی سزا نہیں ہے۔ (دیکھئے شرح السنہ ۱۰/ ۲۴۹ تحت ح ۲۵۶۴)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گھر والے کو چاہئے (اور افضل بھی یہی ہے) کہ ڈاکو کو اپنا مال نہ دے بلکہ اُس سے جنگ کرے اور اگر ایسی حالت میں گھر والا مارا گیا تو وہ شہید ہے اور ڈاکو اگر مارا گیا تو مُردار اور جہنمی ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۷/ نومبر ۲۰۰۹ء)

نمازِ عید کے بعد تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَ مِنْكَ کہنا

سوال کیا نمازِ عید کے بعد ایک دوسرے کو ''تقبل اللّٰہ منا و منك'' کہنا ثابت ہے؟ (ایک سائل)

الجواب اس بارے میں دو مرفوع روایتیں مروی ہیں:

۱: سیدنا واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت

(الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۲۷۴، دوسرا نسخہ ۷/ ۵۲۴ وقال: ''ھذا منکر ..''، المجروحین لابن حبان ۲/ ۳۰۱، دوسرا نسخہ ۲/ ۳۱۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۳۱۹، العلل المتناہیہ لابن الجوزی ۱/ ۴۷۶ ح ۸۱۱ وقال: ''ھذا حدیث لا یصح ..'' التدوین فی اخبار قزوین ۱/ ۳۴۲، ابوبکر الازدی الموصلی فی حدیثہ ق ۳/ ۲ بحوالہ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ۱۲/ ۳۸۵۔ ۳۸۶ ح ۵۶۶۶)

یہ روایت محمد بن ابراہیم بن العلاء الشامی کی وجہ سے موضوع ہے۔ محمد بن ابراہیم مذکور کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: کذاب (سوالات البرقانی للدارقطنی: ۴۲۳)

حافظ ابن حبان نے کہا: وہ شامیوں پر حدیث گھڑتا تھا۔ (المجروحین ۲/ ۳۰۱، دوسرا نسخہ ۲/ ۳۱۹)

مستدرک والے حاکم نے کہا: اس نے ولید بن مسلم اور سوید بن عبدالعزیز سے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۲۰۸ ت ۱۹۱)

۲: سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۳۱۹، ۳۲۰، امالی ابن شمعون: ۲۷۷، المجروحین لابن حبان ۲/ ۱۴۹، دوسرا نسخہ ۲/ ۱۳۳، العلل المتناہیہ ۲/ ۵۷۔۵۸ ح ۹۰۰ وقال: ''هذا حديث ليس بصحيح'' تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۶/ ۶۹)

اس کے راوی عبدالخالق بن زید بن واقد کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا: ''منکر الحدیث'' (کتاب الضعفاء للبخاری بتحقیقی: ۲۴۴)

امام بخاری نے فرمایا: میں جسے منکر الحدیث کہوں تو میں اُس سے روایت بیان کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ (التاریخ الاوسط ۲/ ۱۰۷، دوسرا نسخہ: ہامش التاریخ الاوسط ۳/ ۵۸۲)

معلوم ہوا کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ مکحول اور سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ نہ ہونے کی وجہ سے منقطع بھی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس روایت کو سند کے لحاظ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ۲/ ۴۴۶ تحت ح ۹۵۲)

ان مردود روایات کے بعد اب بعض آثار کی تحقیق درج ذیل ہے:

ا: طحاوی نے کہا: ''وحدثنا يحي بن عثمان قال: حدثنا نعيم قال: حدثنا محمد ابن حرب عن محمد بن زياد الألهاني قال: كنا نأتي أبا أمامة و واثلة بن الأسقع فى الفطر والأضحى ونقول لهما: تقبل الله منا ومنكم فيقولان: ومنكم و منكم'' محمد بن زید الالہانی (ابوسفیان الحمصی: ثقہ) سے روایت ہے کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں ابوامامہ اور واثلہ بن اسقع (رضی اللہ عنہما) کے پاس جاتے تو کہتے: ''تقبل الله منا و منكم'' اللہ ہمارے اور تمھارے (اعمال) قبول فرمائے، پھر وہ دونوں جواب دیتے:

اور تمھارے بھی، اور تمھارے بھی۔ (مختصر اختلاف الفقہاء للطحاوی/ اختصار الجصاص ۳۸۵/۴ وسندہ حسن)

اس سند میں یحییٰ بن عثمان بن صالح اور نعیم بن حماد دونوں جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے اور باقی سند صحیح ہے۔

اس روایت کو ابن الترکمانی نے بغیر کسی حوالے کے نقل کر کے ''حدیث جید'' کہا اور احمد بن حنبل سے اس کی سند کا جید ہونا نقل کیا۔ دیکھئے الجوہر النقی (۳۱۹/۳۔۳۲۰)

۲: قاضی حسین بن اسماعیل المحاملی نے کہا: ''حدثنا المھنی بن یحي قال: حدثنا مبشر بن إسماعیل الحلبی عن إسماعیل بن عیاش عن صفوان بن عمرو عن عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر عن أبیه قال: کان أصحاب النبي ﷺ إذا التقوا یوم العید یقول بعضھم لبعض: تقبل اللّٰه منا و منك''

جبیر بن نفیر (رحمہ اللہ/ تابعی) سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کے صحابہ عید کے دن ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو ایک دوسرے کو تقبل اللّٰه منا و منك کہتے تھے۔

(الجزء الثانی من کتاب صلوٰۃ العیدین مخطوط مصور ص ۲۲ ب وسندہ حسن)

اس روایت کی سند حسن ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔

دیکھئے فتح الباری (۴۴۶/۲ تحت ح ۹۵۲)

۳: صفوان بن عمرو السکسکی (ثقہ) سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن بسر المازنی (رضی اللہ عنہ) خالد بن معدان (رحمہ اللہ) راشد بن سعد (رحمہ اللہ) عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر (رحمہ اللہ) اور عبدالرحمٰن بن عائذ (رحمہ اللہ) وغیرہم شیوخ کو دیکھا وہ عید میں ایک دوسرے کو تقبل اللّٰه منا و منك کہتے تھے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۰۶/۲۶، ترجمہ: صفوان بن عمرو، وسندہ حسن)

۴: علی بن ثابت الجزری رحمہ اللہ (صدوق حسن الحدیث) نے کہا: میں نے (امام) مالک بن انس (رحمہ اللہ) سے عید کے دن لوگوں کے تقبل اللّٰه منا و منك کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ہمارے ہاں (مدینے میں) اسی پر عمل جاری ہے، ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ (کتاب الثقات لابن حبان ج ۹ ص ۹۰ وسندہ حسن)

۵: امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مجھے عید کے دن یونس بن عبید ملے تو کہا: **تقبل اللّٰہ منا و منك.** (کتاب الدعاء للطبرانی ج۲ ص۱۲۳۴ ح۹۲۹ وسندہ حسن)

اس روایت کے راوی حسن بن علی المعمری اُن روایات میں صدوق حسن الحدیث تھے، جن میں اُن پر انکار نہیں کیا گیا تھا اور اس روایت میں بھی اُن پر انکار ثابت نہیں ہے۔
نیز دیکھئے لسان المیزان بحاشیتی (ج۲ ص۴۱۴۔۴۱۵)

۶: طحاوی نے اپنے استاذوں اور معاصرین بکار بن قتیبہ، امام مزنی، یونس بن عبدالاعلیٰ اور ابو جعفر بن ابی عمران کے بارے میں کہا کہ جب انھیں عید کی مبارکباد دی جاتی تو وہ اسی طرح جواب دیتے تھے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج۴ ص۳۸۵)

ان آثار سے معلوم ہوا کہ عید کے دن ایک دوسرے کو **تقبل اللّٰہ منا و منك** کہنا (اور مبارکباد دینا) جائز ہے۔ (۳۱/ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

منکرینِ عذابِ قبر سے دُور رہیں

محمد ارشد کمال

عبداللہ الداناج (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا تو ایک آدمی نے انھیں کہا: اے ابو حمزہ! بے شک کچھ لوگ عذابِ قبر کو جھٹلاتے ہیں؟ (ہمیں ان کے متعلق نصیحت فرمائیں۔)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان کے ساتھ مت بیٹھو۔ (اثبات عذاب القبر للبیہقی: ۲۵۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۲۳۰)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام کے دور میں بھی ایسے گمراہ لوگ پیدا ہو چکے تھے جو عذابِ قبر کا انکار کرتے تھے۔ صحابۂ کرام نے عام لوگوں کو ان کی مجلسوں اور محفلوں سے دُور رہنے کی تلقین کی۔ ہمیں بھی صحابۂ کرام کی اس نصیحت کو سامنے رکھتے ہوئے اس قسم کے گمراہوں کی بیٹھک اور مجالس سے دُور رہنا چاہئے۔

(المسند فی عذاب القبر ص۱۴۲، بتصرف یسیر)

حافظ زبیر علی زئی

گاؤں میں نمازِ جمعہ کی تحقیق

[یہ مضمون بعض دیوبندی لوگوں کی تحریروں کے جواب میں لکھا گیا ہے۔]

الحمدللّٰہ رب العالمین و الصّلوٰة و السّلام علیٰ رسوله الأمین، أما بعد:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ﴾ [سورة الجمعہ:٩]

''اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی دن جمعہ کے، تو دوڑو اللہ کی یاد کو، اور چھوڑ دو بیچنا۔''

(ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی ص ٦٦٨)

احمد علی لاہوری دیوبندی نے اس آیت کا درج ذیل ترجمہ لکھا ہے:

''اے ایمان والو جب جُمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو ذکرِ الٰہی کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو'' (مترجم قرآنِ عزیز ص ٨٨٤، تفسیر محمود ج ٣ ص ٣٥٩)

عبدالحق حقانی نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان دیجائے تو اللہ کی یاد کے لئے جلدی چلو اور سودا چھوڑ دو'' (تفسیر حقانی ج ٧ ص ١٢٥)

اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے آیتِ مذکورہ کے ترجمے میں کہا:

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل پڑا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو'' (بیان القرآن ج ٢ جلد ١٢ ص ٦)

شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے: ''اور دوڑنے سے مُراد پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا ہے۔ بھاگنا مراد نہیں۔'' (تفسیر عثمانی ص ٧٣٤)

آیتِ مذکورہ میں ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ سے مراد المؤمنین ہیں۔

مشہور مفسرِ قرآن امام ابو جعفر ابن جریر الطبری السنی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''يقول تعالىٰ ذكره للمؤمنين به من عباده .... ''الخ

اللہ تعالیٰ اپنے مومنین بندوں سے فرماتا ہے...الخ (تفسیر طبری ج ۲۸ ص ۶۵)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: ''خاطب الله المؤمنين بالجمعة دون الكافرين .. ''

اللہ نے جمعہ کے ساتھ مومنین سے خطاب فرمایا ہے، کافروں سے نہیں...

(تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۱۰۰)

قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے فرمایا: '' ظاهر في أن المخاطب بالجمعة المؤمنون دون الكفار ''ظاہر یہ ہے کہ جمعہ کے ساتھ المؤمنون کو خطاب کیا گیا ہے، کفار کو نہیں۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۱۸۰۲)

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: '' و قد أمر الله المؤمنين بالاجتماع لعبادته يوم الجمعة '' اور اللہ نے جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے المؤمنین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ جمع ہو جائیں۔ (تفسیر ابن کثیر نسخہ محققہ ج ۱۳ ص ۵۵۹)

نیز دیکھئے تفسیر الخطیب الشربینی (ج ۴ ص ۳۰۵) اور تفسیر السعدی (ج ۷ ص ۳۸۲)

خطیب شربینی نے لکھا ہے: '' أي :أقروا بألسنتهم بالإيمان ''

یعنی وہ لوگ جنھوں نے اپنی زبانوں سے ایمان کا اقرار کیا ہے۔ (تفسیر شربینی ج ۴ ص ۳۰۵)

مفسرین کی ان تفسیروں سے ثابت ہوا کہ آیتِ مذکورہ میں المؤمنين (تمام مومنین) مراد ہیں۔ المؤمنين میں ال (الف لام) استغراقی ہے لہٰذا جن کی تخصیص دلیل سے ثابت ہے، اُن کے علاوہ تمام مومنین مراد ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے فرضیتِ جمعہ پر استدلال کیا ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (کتاب الجمعہ باب فرض الجمعہ قبل ح ۸۷۶)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے تھے: ''فامضوا إلىٰ ذكر الله''

پس اللہ کے ذکر کی طرف چلو۔ (تفسیر ابن جریر طبری ج ۲۸ ص ۶۵ وسندہ صحیح)

صحابی کی تشریح کے مقابلے میں عینی حنفی کا ''دوڑنا'' معنی کرنا غلط ہے۔

آیتِ مذکورہ میں سعی کا معنی ''دوڑنا'' کرنا آثارِ صحابہ کے بھی خلاف ہے اور دیوبندی اکابر کے بھی خلاف ہے۔

﴿وَ ذَرُوا الْبَيْعَ﴾ کا جو مفہوم محمد قاسم نانوتوی دیوبندی نے بتایا ہے، غلط ہے لہٰذا اعلاء السنن (۳۱/۸) نامی دیوبندی کتاب کا حوالہ فضول ہے۔

اس آیت کو ذکر کر کے امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۸ھ) نے لکھا ہے: ''**فاتباع ظاهر كتاب الله عز وجل يجب ولا يجوز أن يستثنٰى من ظاهر الكتاب جماعة دون عدد جماعة بغير حجة ، و لو كان لله في عدد دون عدد مراد لبين ذلك في كتابه أو علٰى لسان نبيه ﷺ ، فلما عم و لم يخص كانت الجمعة علٰى كل جماعة في دار اقامة علٰى ظاهر الكتاب وليس لأحد مع عموم الكتاب أن يخرج قومًا من جملة بغير حجة يفزع إليها...**''

پھر کتاب اللہ کے ظاہر کی اتباع واجب ہے اور ظاہر کتاب سے بغیر دلیل کے کسی جماعت کو چھوڑ کر کسی جماعت کا استثناء جائز نہیں ہے اور اگر اللہ کی مراد کسی خاص عدد سے ہوتی تو اپنی کتاب یا اپنے نبی ﷺ کی زبان پر ضرور بیان کر دیتا، جب اُس نے (آیت کو) عام کر لیا اور تخصیص نہیں کی تو دارِ اقامت میں ظاہر کتاب کی رُو سے ہر جماعت پر جمعہ ضروری ہوا اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ عمومِ کتاب میں سے کسی قوم کو بغیر کسی مضبوط دلیل کے نکال دے۔ الخ (الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف ج۴ ص۲۹، ۳۰)

تحقیقِ مذکور سے ثابت ہوا کہ آیتِ مذکورہ میں شہری مومنین کے ساتھ دیہاتی مومنین بھی شامل ہیں۔ جس طرح شہروں میں اذان (نداء) ہوتی ہے، اُسی طرح گاؤں میں بھی اذان ہوتی ہے لہٰذا جب گاؤں میں جمعہ کی اذان دی جائے تو نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے جانا ضروری ہے اور کسی آیت یا حدیث میں گاؤں میں نمازِ جمعہ کی اذان کہنے سے منع نہیں کیا گیا لہٰذا محمد تقی عثمانی دیوبندی کی کتاب درسِ ترمذی کا حوالہ فضول ہے۔

سعودی عرب کے چیف جسٹس شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ''نماز جمعہ اور خطبہ کے قیام کے لئے کم از کم کتنے آدمیوں کا ہونا شرط ہے؟''

تو انھوں نے جواب دیا:

''اس مسئلہ میں اہل علم کا بہت اختلاف ہے۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ تین آدمیوں کا ہونا کافی ہے۔ ایک امام اور اس کے علاوہ دو اور آدمی۔ جب کسی بستی میں تین ایسے آدمی موجود ہوں جو شرعاً مکلّف، آزاد اور اس بستی کے رہنے والے ہوں تو وہ جمعہ قائم کریں، ظہر نہ پڑھیں۔ کیونکہ نماز جمعہ کی مشروعیت اور فرضیت پر دلالت کرنے والے دلائل تین اور اس سے زیادہ جتنے بھی آدمی ہوں سب پر عام ہے۔'' (فتاویٰ ج ا ص ٧٣، ٧٤)

سعودی عرب کے مشہور مفتی شیخ محمد بن صالح ابن العثیمین رحمہ اللہ نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: '' **فیدل ذلك علیٰ جواز اقامة الجمعة بالقری و أنه لا یشترط لاقامة الجمعة المصر الجامع کما قاله طائفة من العلماء . و ممن ذهب إلیٰ جواز اقامة الجمعة فی القری: عمر بن عبدالعزیز و عطاء و مکحول و عکرمة و الأوزاعي و مالك و اللیث بن سعد و الشافعي و أحمد و إسحاق و کان ابن عمر یمر بالمیاه بین مکة و المدینة فیری أهلها یجمعون فلا یعیب علیهم ...** ''

پس یہ اس پر دلیل ہے کہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے اور جمعہ قائم کرنے کے لئے مصر جامع کی شرط نہیں ہے جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز، عطاء، مکحول، عکرمہ، اوزاعی، مالک، لیث بن سعد، شافعی، احمد اور اسحاق گاؤں میں نماز جمعہ قائم کرنے کے جواز کے قائل تھے اور ابن عمر (رضی اللہ عنہ) مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی والی جگہوں پر لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تو اُن پر انکار (یعنی اُن کا رد) نہیں کرتے تھے... (شیخ ابن عثیمین کی شرح صحیح بخاری ج ٢ ص ٥٦٨، ٥٦٩)

امام مالک (بن انس رحمہ اللہ) نے فرمایا: مکہ اور مدینہ کے درمیان پانیوں کے پاس محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) جمعہ پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۲ ح ۵۲۰۷ وسندہ صحیح)

ابن ہمام حنفی کا ایک قول بیان کیا جاتا ہے: "ان قولہ تعالیٰ (فاسعوا الی ذکر اللّٰہ) لیس علیٰ اطلاقہ اتفاقاً بین الائمۃ اذلا یجوز اقامتھا فی البوادی اجماعًا"

"بے شک اللہ تعالیٰ کا قول (فاسعوا الی ذکر اللّٰہ) مطلق (یعنی عام) نہیں آئمہ کے درمیان متفقہ طور پر جبکہ دیہات میں جمعہ کا قائم کرنا اجماعاً جائز نہیں"

اس قول کے سلسلے میں تین باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: ابن ہمام حنفی نے ائمہ کے اتفاق کا ثبوت پیش نہیں کیا۔

۲: البوادی کا اردو ترجمہ "دیہات" تو غلط ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور صحیح ترجمہ جنگل، صحرا ہے لیکن ابن ہمام نے جنگل صحرا میں جمعہ کے ناجائز ہونے پر اجماع کا ثبوت پیش نہیں کیا اور اس جعلی اجماع کے رد کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ کا مذکورہ بالا ایک حوالہ ہی کافی ہے۔ کیا خیال ہے؟ اگر امیر المومنین اپنی فوج کے ساتھ جنگل یا صحرا میں نمازِ جمعہ پڑھ لیں تو حنفیوں کے نزدیک یہ نماز ہو جائے گی یا نہیں؟!

۳: بوادی کا ترجمہ دیہات غلط ہے۔ بوادی کا واحد بادیہ ہے جو کھلے جنگل کو کہتے ہیں۔ دیکھئے لغت کی کتاب القاموس الوحید (ص ۱۵۵)

ابو بکر الجصاص حنفی نے دعویٰ کیا ہے کہ بوادی اور مناہل الاعراب میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

اس قول کے سلسلے میں چار باتیں پیش خدمت ہیں:

۱: بوادی دیہات کو نہیں بلکہ کھلے جنگل کو کہتے ہیں لہٰذا گاؤں میں جمعہ کے خلاف یہ قول پیش کرنا غلط ہے۔

۲: مناہل کا واحد منھل ہے جو پانی کے گھاٹ اور جنگل میں مسافروں کی منزل پڑاؤ کو کہتے ہیں۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۷۱۸)

لہٰذا قولِ مذکور کا تعلق گاؤں سے نہیں ہے۔

۳: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحابۂ کرام مکے اور مدینے کے درمیان پانی کی جگہوں

(گھاٹ) کے پاس نماز جمعہ پڑھتے تھے۔ حوالہ سابقہ صفحے پر گزر چکا ہے۔

لہٰذا اجماع کا دعویٰ باطل ہوا۔

۴: اگر خلیفۃ المسلمین جنگل اور گھاٹ پر جمعہ پڑھے تو علماء کے ایک گروہ کے نزدیک جمعہ صحیح ہے لہٰذا اجماع کا دعویٰ باطل ہوا۔

دیہات میں خرید وفروخت

یہ ایک حقیقت ہے کہ گاؤں میں بھی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ ہر گاؤں میں ایک آدھ دکان ضرور ہوتی ہے جہاں سے لوگ اپنی ضروریاتِ زندگی کی اشیاء خریدتے ہیں۔ زمینوں پر جو فصلیں اُگتی ہیں مثلاً گندم وغیرہ، اُن کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے لہٰذا ﴿وَ ذَرُوا الْبَیْعَ﴾ کے حکم میں دیہات بھی شامل ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ دیہات میں ہر چیز نہیں ملتی تو عرض ہے کہ بعض شہروں میں بھی ہر چیز نہیں ملتی بلکہ اُن شہروں کے باشندے دوسرے شہروں میں جا کر مطلوبہ چیزیں خریدتے ہیں مثلاً حضرو شہر میں بہت عرصہ تک کارِپٹ نہیں ملتا تھا تو لوگ اٹک شہر جاتے تاکہ کارِپٹ خریدیں۔ بعض اوقات ایک چیز اٹک میں بھی نہیں ملتی تو لوگ وہ چیز خریدنے کے لئے راولپنڈی، اسلام آباد یا پشاور وغیرہ چلے جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ آیتِ جمعہ سے دیہاتیوں کا استثناء کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ: اجماع بھی شرعی حجت ہے لہٰذا جس کی تخصیص اجماع سے ثابت ہے وہ ٹھیک ہے لیکن یاد رہے کہ آیتِ مذکورہ کے عموم سے دیہاتی کا خارج ہونا اجماع سے ثابت نہیں ہے۔

دوسری دلیل: سیدنا طارق بن شہاب صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة إلا أربعة : عبد مملوك ، أو امرأة أو صبي أو مريض.))

ہر مسلم پر جماعت کے ساتھ جمعہ حق اور واجب ہے سوائے چار کے: زرخرید غلام، عورت،

بچہ یا مریض۔ (سنن ابی داود: ١٠٦٧، اس کی سند طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے۔)

روایتِ مذکورہ کے بارے میں امام ابوداود نے فرمایا: طارق بن شہاب (رضی اللہ عنہ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ (سنن ابی داود ص ١٦٨)

علامہ نووی نے الخلاصہ میں کہا: اور (ابوداود کا) یہ قول حدیث کے صحیح ہونے پر جرح نہیں کرتا کیونکہ یہ صحابی کی مرسل ہے اور یہ حجت ہے اور (یہ) حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔ (نصب الرایہ ج ٢ ص ١٩٩)

مزید عرض ہے کہ مرسل صحابی کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:

''وقد اتفق المحدثون على أنه في حکم الموصول'' اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ موصول کے حکم میں ہے۔ (ہدی الساری ص ٣٥٠، الحدیث الثالث من کتاب الطہارۃ)

نیز دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (١/ ١٥٨، ١٥٩) اور مقدمہ ابن الصلاح (ص ٧٥)

محمد عبید اللہ الاسعدی نے مرسل صحابی کے بارے میں لکھا ہے: ''جمہور کے نزدیک مقبول و لائق احتجاج ہے'' (علوم الحدیث ص ١٣٧، اس کتاب پر حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کی تقریظ ہے۔)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔ والحمد للہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ استثناء والے اشخاص کے علاوہ ہر شخص پر جمعہ واجب ہے اور اس میں دیہاتی کا استثناء کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

تیسری دلیل: سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((على كل محتلم رواح الجمعة .)) الخ ہر بالغ پر جمعہ کے لئے جانا ضروری ہے۔ الخ

(سنن ابی داود: ٣٤٢ وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ: ١٧٢١، وابن حبان [الاحسان]: ١٢١٧)

اس روایت سے بھی ثابت ہے کہ ہر بالغ شہری اور دیہاتی پر جمعہ ضروری ہے۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ففرض الجمعة واجب على كل بالغ'' اور ہر بالغ پر جمعہ فرض ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ٣ ص ١١١ ح ١٧٢١)

محتلم سے ہر بالغ مراد ہے، چاہے وہ شہر میں رہتا ہو یا گاؤں میں اور جس کی تخصیص

دلیل سے ثابت ہو جائے مثلاً نابالغ غلام اور مسافر تو وہ اس کے عموم سے خارج ہے لیکن یاد رہے کہ دیہاتی کی تخصیص کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

چوتھی دلیل: رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ((**لینتھین أقوام عن ودعھم الجمعات أو لیختمن اللّٰہ علٰی قلوبھم ثم لیکونن من الغافلین .**))
لوگوں کو جمعے (جمعہ کی نمازیں) ترک کرنے سے رکنا چاہئے یا اللہ اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (صحیح مسلم: ٨٦٥، ترقیم دارالسلام: ٢٠٠٢)

پانچویں دلیل: سیدنا ابوالجعد الضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**من ترك ثلاث جمع تھاوناً بھا طبع اللّٰہ علٰی قلبه .**))
جو شخص سستی کرتے ہوئے اور حقیر سمجھتے ہوئے تین جمعے ترک کر دے گا تو اللہ اُس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (سنن ابی داود: ١٠٥٢، وسندہ حسن وحسنہ الترمذی: ٥٠٠ وصححہ ابن خزیمہ: ١٨٥٧، وابن حبان [الموارد: ٥٥٣، ٥٥٤] والحاکم علیٰ شرط مسلم ١/ ٢٨٠ ووافقہ الذہبی)

چھٹی دلیل: سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((**من ترك الجمعة ثلاث مرار من غیر عذر طبع اللّٰہ علٰی قلبه .**)) جو شخص عذر کے بغیر تین دفعہ جمعہ ترک کر دے تو اللہ اس کے دل پر (نفاق کی) مہر لگا دیتا ہے۔
(مسند احمد ٣/ ٣٣٢ وسندہ حسن واللفظ لہ، ابن ماجہ: ١١٢٦، وصححہ ابن خزیمہ: ١٨٥٦، والبوصیری فی زوائد ابن ماجہ)

ساتویں دلیل: سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی ضرورت کے بغیر تین جمعے ترک کر دے تو اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔
(مسند احمد ج ٥ ص ٣٠٠ وسندہ حسن، شرح مشکل الآثار للطحاوی ج ٨ ص ٢١٠ ح ٣١٨٤)

آٹھویں دلیل: سیدنا عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُمت کی ہلاکت اُن لوگوں کے ہاتھوں پر بیان فرمائی جو ((**یدعون الجماعات والجمع**)) نماز با جماعت اور جمعے پڑھنا چھوڑ دیں گے۔
(کتاب المعرفہ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ج ٢ ص ٥٠٧ وسندہ حسن، شعب الایمان للبیہقی

ج ٤ ص ٤٢١ ح ٤٩٧٢، نسخہ محققہ وقال المحقق: اسنادہ حسن)

نویں دلیل: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کے بارے میں فرمایا جو جمعہ سے پیچھے رہتے تھے: ((**لقد هممت أن آمر رجلاً يصلّي بالناس ثم أحرّق علٰی رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم.**))

میں نے یہ ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر اُن لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ٦٥٢، دارالسلام: ١٤٨٥)

دسویں دلیل: سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ حق واجب ہے سوائے چار کے: زرخرید غلام، یا عورت، یا بچہ یا مریض۔ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۸۸ ح ۱۰۶۲، وصححہ علی شرط الشیخین وقال الذہبی: صحیح)

اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے شاذ قرار دیا ہے لیکن اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور حاکم و ذہبی دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔ اصولِ حدیث کا یہ مسئلہ ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت معتبر ہوتی ہے۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''اور تمام محدثین کا اس امر میں اتفاق ہے۔ کہ ثقہ کی زیادت قابل قبول ہے۔''

(احسن الکلام طبع دوم ج ۱ ص ۱۹۳، باب دوم پہلی حدیث)

ان دس دلائل اور دیگر دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان پر نمازِ جمعہ فرض ہے، سوائے اُن کے جن کی تخصیص یا استثناء دلیل کے ساتھ ثابت ہے۔ درج ذیل معذورین کی تخصیص دلائل کے ساتھ ثابت ہے:

۱: غلام

۲: عورت

۳: نابالغ بچہ

۴: بیمار

۵: مسافر

٦: شرعی عذر مثلاً بارش وغیرہ

٧: خوف

لیکن کسی ایک دلیل میں بھی دیہاتی کا استثناء یا تخصیص ثابت نہیں لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شہری اور دیہاتی پر جمعہ فرض ہے، سوائے اُن کے جن کی تخصیص ثابت ہے۔

آثارِ سلف صالحین

ان دلائلِ مذکورہ کے بعد اب آثارِ سلف صالحین پیشِ خدمت ہیں:

١) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**من ترك الجمعة ثلاث جمع متواليات فقد نبذ الإسلام وراء ظهره**'' جس شخص نے لگاتار تین جمعے ترک کر دیئے تو اُس نے اسلام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔

(مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۱۰۲ ح ۲۷۱۲ وسندہ صحیح وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۱۹۳/۲: ''ورجالہ رجال الصحیح''

وقال المنذری فی الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۵۱۱ ح ۱۰۸۲: ''رواه أبو يعلى موقوفًا بإسناد صحيح'')

٢) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''**أنهم كتبوا إلى عمر يسألونه عن الجمعة فكتب: جمّعوا حيث كنتم**'' انھوں نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف لکھا، وہ جمعہ کے بارے میں پوچھ رہے تھے تو انھوں نے لکھ بھیجا: تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۲ ح ۵۰۶۸ وسندہ صحیح)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ (بہت سے) لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ پڑھنے کا مسئلہ پوچھا تھا تو انھوں نے لوگوں کو حکم دیا: تم جہاں بھی ہو نمازِ جمعہ پڑھو۔

اس اثر پر امام ابن ابی شیبہ نے درج ذیل باب باندھا ہے:

''**من كان يرى الجمعة فى القرى وغيرها**'' جو شخص گاؤں وغیرہ میں جمعہ کا قائل ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: تحقیق محمد عبدالسلام شاہین ج ۱ ص ۴۴۰)

یعنی محدثینِ کرام نے اس اثر سے یہ ثابت کیا ہے کہ گاؤں وغیرہ میں جمعہ پڑھنا

چاہئے۔حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ” وهذا يشمل المدن و القرى “
اور یہ شہروں اور گاؤں پر مشتمل ہے۔ (فتح الباری ج ۲ص ۳۸۰ تحت ح ۸۹۲)
یعنی اس فاروقی حکم سے مراد شہر بھی ہیں اور گاؤں بھی ہیں۔
یہ ظاہر ہے کہ لوگ شہروں میں بھی رہتے تھے اور دیہات وغیرہ میں بھی رہتے تھے اور اس اثر میں صرف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سوال نہیں بلکہ بہت سے لوگوں نے یہ مسئلہ پوچھا تھا۔
امام ابو بکر بن ابی شیبہ اور حافظ ابن حجر العسقلانی کی اس تشریح کے مقابلے میں عینی حنفی کی تاویل باطل ہے۔

۳) امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مکے اور مدینے کے درمیان پانی والی جگہوں پر رہنے والے لوگوں کی طرف عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ/ خلیفہ) نے لکھ بھیجا تھا کہ نمازِ جمعہ پڑھو۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ص ۱۶۹ ح ۵۱۸۱ وسندہ صحیح)
اس اثر کے بعد امام عبدالرزاق نے بغیر کسی سند کے لکھا ہے کہ عطاء نے فرمایا:
ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ مصر جامع کے علاوہ جمعہ نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۱۶۹)
اس کی سند منقطع اور بے سند ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۴) امام زہری رحمہ اللہ (تابعی) سے امام معمر بن راشد نے ایسے گاؤں کے بارے میں پوچھا جو جامعہ نہ ہو (یعنی چھوٹا گاؤں ہو) جس میں لوگ جمعہ پڑھتے ہیں، کیا میں اُن کے ساتھ جمعہ پڑھوں اور قصر کروں؟ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں!
(مصنف عبدالرزاق ج ۳ص ۱۷۰ ح ۵۱۸۸ وسندہ صحیح)
اس اثر سے معلوم ہوا کہ امام زہری کے نزدیک چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

۵) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں عبدالدائم جلالی دیوبندی نے لکھا ہے:
”اور آپ کا مکان بصرہ سے دو میل کے فاصلے پر زاویہ نامی گاؤں میں تھا۔“
(صحیح بخاری: مطبوعہ المکتبۃ العربیہ اقبال ٹاؤن لاہور ج ۱ص ۵۰۹ قبل ح ۸۶۰)
سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے کہ ” أحيانًا يجمع و أحيانًا لا

یجمّع ''آپ بعض دفعہ جمعہ پڑھتے تھے اور بعض دفعہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔(قبل ح ۹۰۲)

جمعہ نہ پڑھتے تھے کی تشریح میں عبدالدائم جلالی نے لکھا ہے:

''(بلکہ بصرہ کی جامع مسجد میں آکر پڑھتے تھے)'' (صحیح بخاری مترجم ج ا ص ۵۰۹)

حافظ ابن حجر نے اس اثر کی تشریح میں لکھا ہے:

''أي یصلی بمن معه الجمعة أو یشهد الجمعة بجامع البصرة''

یعنی آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جمعہ پڑھ لیتے یا بصرے کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھتے تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۵ تحت ح ۹۰۲)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ زاویہ (نامی ایک گاؤں) میں عید کی نماز پڑھتے تھے۔

دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۹۸۷ کتاب العیدین باب اذا فاتہ العید یصلی رکعتین)

جب عید کی نماز گاؤں میں جائز ہے تو جمعہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

٦) امام مالک رحمہ اللہ نے بتایا کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی والی جگہوں کے پاس صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) جمعہ پڑھتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۲، وسندہ صحیح إلی الامام مالک)

۷) امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ''**باب الجمعة فی القری والمدن**'' باندھ کر یہ اشارہ کیا ہے کہ گاؤں اور شہروں میں جمعہ جائز ہے۔

مذکورہ باب کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (مع فتح الباری ج ۲ ص ۳۷۹)

۸) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

''**وعند عبدالرزاق بإسناد صحیح عن ابن عمر أنه کان یری أهل المیاه بین مکة و المدینة یجمعون فلایعیب علیهم**'' اور صحیح سند کے ساتھ عبدالرزاق کی روایت ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) مکے اور مدینے کے درمیان پانی والی جگہوں پر رہنے والے لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تو اُن پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۰)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جس روایت میں آیا ہے کہ ''**إذا کان علیهم أمیر فلیجمع**'' جب اُن پر کوئی امیر ہو تو جمعہ پڑھائے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۷۸)

اس کی سند مولیٰ لآل سعید بن العاص کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

نیموی نے لکھا ہے: " **قلت : إسناده مجهول** " میں نے کہا: اس کی سند مجہول ہے۔

(آثار السنن ص ۴۵۳ تحت ۸۹۹)

۹) دو صحیح اور حسن لذاتہ حدیثوں پر امام ابوداود نے باب باندھا ہے:

" **باب الجمعة فی القری** " گاؤں میں جمعے کا باب (سنن ابی داود ص ۱۶۸، قبل ح ۱۰۶۸)

اور امام ابوداود نے گاؤں میں جمعہ نہ ہونے پر کوئی باب نہیں باندھا لہٰذا ثابت ہوا کہ امام ابوداود گاؤں میں نمازِ جمعہ کے جواز یا وجوب کے قائل تھے۔

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے اس باب کی تشریح میں لکھا ہے:

" **أي حكم الجمعة فی القری فتجب علیٰ أهل القری أن یجمعوا فیها...** "

یعنی دیہات میں جمعہ کا حکم پس دیہاتیوں پر جمعہ پڑھنا واجب ہے... الخ

(بذل المجہود ج ۶ ص ۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

۱۰) عطاء بن ابی رباح (تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: " **إذا كانت قرية لازقة بعضها ببعض جمّعوا** " اگر ایسا گاؤں ہو، جس کے گھر ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں تو وہ جمعہ پڑھیں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ مطبوعہ: مکتبۃ الرشد الریاض ج ۲ ص ۵۳۸ ح ۵۱۰۸ وسندہ حسن، مصنف ابن ابی شیبہ: نسخہ محمد عوامہ ج ۴ ص ۴۸ ح ۵۱۱۰)

اس اثر کے راوی معقل بن عبید اللہ الجزری رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے اور باقی سند صحیح ہے۔

اس اثر پر امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے " **من كان يرى الجمعة فی القری وغيرها** " کا باب باندھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز یا واجب ہے۔

بعض اعتراضات کے جوابات

اب بعض الناس کے بعض اعتراضات اور شبہات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد پہلا

جمعہ" جواثاء قرية من قرى البحرين ، قال عثمان: قرية من قرى عبدالقيس "
بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں جواثا، عثمان (بن ابی شیبہ) کی روایت کے مطابق: عبدالقیس (قبیلے) کے گاؤں میں سے ایک گاؤں میں/ پڑھا گیا۔ (سنن ابی داود:١٠٦٨)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور عثمان بن ابی شیبہ پر بعض الناس کی جرح مردود ہے۔
عثمان مذکور رحمہ اللہ صحیحین، سنن ابی داود، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے راوی تھے۔
صحیح بخاری میں اُن کی تقریباً اکسٹھ (٦١) روایتیں موجود ہیں۔
دیکھئے مفتاح صحیح البخاری (ص١١٦، ١١٧)

جمہور محدثین نے انھیں ثقہ وصدوق قرار دیا ہے اور ایسے راوی پر جرح مردود ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ محمد بن عبداللہ المخرمی نے بھی جواثا کو قریہ (گاؤں) کہا ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (مجلد واحد طبع دارالسلام ص١٦٢)
امام بیہقی کی کتاب السنن الکبریٰ میں عبداللہ بن المبارک عن ابراہیم بن طہمان کی روایت میں بھی" بجواثا قرية من قرى عبدالقيس " لکھا ہوا ہے۔ (دیکھئے ج٣ ص١٧٦)

معلوم ہوا کہ عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ پر یہاں اعتراض سرے سے مردود ہے اور یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ راویٔ حدیث کی روایت یا تشریح کے مقابلے میں معجم البکری ہو یا کوئی دوسرا مثلاً ابوالحسن اللخمی وغیرہ ہو، اس کی بات ہمیشہ مردود ہوتی ہے۔

عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں بعض الناس نے پرائمری ماسٹر محمد امین اوکاڑوی دیوبندی کی کتاب تجلیاتِ صفدر کے حوالے سے لکھا ہے کہ" جواثی کے بارے میں قریہ (گاؤں) کا لفظ سنن ابوداود میں عثمان بن ابی شیبہ کا ہے جو کہ خود ضعیف راوی ہیں (میزان الاعتدال بحوالہ تجلیات صفدر)"

عرض ہے کہ میزان الاعتدال میں عثمان مذکور کو ضعیف نہیں بلکہ "صح" لکھا ہوا ہے۔
(دیکھئے ج٣ ص٣٥ ت٥٥١٨)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ جس کے ساتھ "صــــح" کی علامت لکھیں تو وہ اُن کے نزدیک ثقہ ہوتا

ہے۔دیکھئے حافظ ابن حجر کی کتاب لسان المیزان (ج ۲ص ۱۵۹، دوسرا نسخہ ج ۲ص ۲۸۹)
حافظ ذہبی نے اپنی دوسری مشہور کتاب میں عثمان مذکور کے بارے میں لکھا ہے:
''**لا ریب أنه کان حافظًا متقنًا** ''الخ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ متقن (ثقہ) حافظ تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ص ۱۵۲)

تنبیہ: عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے قرآن مجید کا غلط طور پر پڑھنا باسند صحیح ثابت نہیں ہے اور اس سلسلے کی ساری روایات ضعیف و مردود ہیں۔

دوسرے یہ کہ دوسرے دو ثقہ راویوں نے بھی قریہ (گاؤں) کا لفظ روایت کیا ہے لہٰذا ثقہ راوی پر جرح سرے سے مردود ہے۔ والحمد للہ

جواثا شہر نہیں بلکہ گاؤں تھا اور یہ عین ممکن ہے کہ بعد میں شہر ہو گیا ہو۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے: ''**مع احتمال أن تکون فی الأول قریة ثم صارت مدینة**'' اس احتمال کے ساتھ کہ یہ پہلے گاؤں ہو اور بعد میں شہر ہو گیا ہو۔

(فتح الباری ج ۲ص ۳۸۱ تحت ح ۸۹۲)

حافظ ابن حجر کے مقابلے میں چودھویں صدی کے نیموی تقلیدی اور درس ترمذی (۲/۲٦۸) وغیرہما کے حوالے بے کار ہیں۔

عینی حنفی کے بارے میں عبدالحیٔ لکھنوی حنفی نے لکھا ہے: ''**و لو لم یکن فیه رائحة التعصب المذهبی لکان أجود و أجود** ''اور اگر اُن میں مذہبی تعصب کی بُو نہ ہوتی تو بہت بہتر ہوتا۔ (الفوائد البہیہ ص ۲۷۳، محمود بن احمد بن موسیٰ العینی)

۲) سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) اسعد بن زرارہ (رضی اللہ عنہ) نے سب سے پہلے ہمیں هَزْمِ النَّبِیت (کی بستی) میں مقام نقیع پر جمعہ پڑھایا جو کہ بنو بیاضہ کی زمین میں واقع ہے، اسے نقیع الخضمات بھی کہتے ہیں۔

(سنن ابی داود ترجمۃ الشیخ ابی انس محمد سرور گوہر قصوری حفظہ اللہ ج ۱ص ۳٦۸، ۳٦۹ ح ۱۰٦۹، باختلاف یسیر)

اس وقت وہاں صحابہ کی تعداد چالیس (۴۰) تھی۔

دیکھئے سنن ابی داود مع عون المعبود (ج ۱ ص ۴۱۴)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے، امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار نے سماع کی تصریح کردی ہے۔

دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ج ۳ ص ۱۱۳ ح ۱۷۲۴) اور صحیح ابن الجارود (المنتقیٰ: ۲۹۱)

اسے ابن خزیمہ اور ابن الجارود کے علاوہ حاکم اور ذہبی دونوں نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

دیکھئے المستدرک والتلخیص (ج ۱ ص ۲۸۱)

امام بیہقی نے فرمایا: ''**وھذا حدیث حسن الإسناد صحیح**'' اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن (اور) صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۷۷)

ہزم النبیت مدینہ طیبہ کے نزدیک حرہ بنی بیاضہ کا ایک موضع تھا۔

دیکھئے المنہل العذب المورود شرح سنن ابی داود (ج ۶ ص ۲۱۸، ۲۱۹ واللفظ لہ) عون المعبود (ج ۱ ص ۴۱۴) اور بذل المجہود (ج ۶ ص ۵۳)

حرہ بنی بیاضہ کسے کہتے ہیں؟ اس کی تشریح میں عینی حنفی نے فرمایا:

''**ھی قریۃ علٰی میل من المدینۃ**'' یہ مدینے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا یا ہے۔ (شرح سنن ابی داود للعینی ج ۴ ص ۳۹۵)

نیز دیکھئے بذل المجہود (ج ۶ ص ۵۳ نقلہ عن العینی) اور عون المعبود (ج ۱ ص ۴۱۴)

اس حدیث پر درج ذیل محدثینِ کرام نے گاؤں میں جمعہ کے ابواب باندھے ہیں:

۱: امام ابوداود (قال: باب الجمعۃ فی القریٰ)

۲: بیہقی (قال : باب العدد الذین إذا کانوا في قریۃ و جبت علیھم الجمعۃ)

محدث ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے فرمایا:

''**و فی الحدیث من الفقہ أن الجمعۃ جواز ھا فی القری کجوازھا فی المدن والأمصار لأن حرۃ بني بیاضۃ یقال قریۃ علٰی میل من المدینۃ**''

اور (اس) حدیث میں یہ فقہ ہے کہ جس طرح شہروں میں جمعہ جائز ہے، اُسی طرح دیہات

میں بھی جمعہ جائز ہے کیونکہ حرہ بنی بیاضہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مدینے سے ایک میل کے فاصلے پر گاؤں ہے یا تھا۔ (معالم السنن ج ۱ ص ۲۱۱)

محدثین کی ان تصریحات کے مقابلے میں بہت بعد کی تفسیر روح المعانی وغیرہ کے حوالوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بعض الناس نے لکھا ہے کہ ''صحابہ نے یہ جمعہ اپنے اجتہاد سے فرضیتِ جمعہ سے پہلے ہی پڑھ لیا تھا..... یہ جمعہ صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہاد سے پڑھا تھا اور اس وقت جمعہ کے احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے لہٰذا اس واقعہ سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔''

(ایک تقلیدی فتویٰ ص ۵، ۶)

عرض ہے کہ صحابہ کا یہ اجتہاد دیوبندی و تقلیدی ''فقہاء'' کے اجتہادات سے ہزار گنا بہتر ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس وقت رسول اللہ ﷺ زندہ تھے لیکن آپ نے اُن پر کوئی رد نہ فرمایا۔ تیسرے یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہ جمعہ ہو گیا تھا یا نہیں؟ جواب دیں۔!

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادات رد کر کے اپنے تقلیدی دیوبندی اکابر کے اجتہادات منوانا کہاں کا انصاف ہے؟!

یہ کہنا کہ یہ ''حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ موقوف ہے'' دو وجہ سے مردود ہے:

اول: صحابۂ کرام کا یہ عمل اور موقوف روایت تمام حنفی فقہاء کے مقابلے میں راجح اور مضبوط ہے۔ کہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور کہاں حنفی فقہاء؟ سبحان اللہ!

دوم: دیوبندی اصولِ حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ ''صحابی کا یہ بیان کہ صحابہ ایسا کہتے تھے یا کرتے تھے، یا فلاں کام میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔

۱: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت کر کے ایسا کہا جائے تو صحیح یہ ہے کہ مرفوع قرار پائے گی جیسے....''

(علوم الحدیث تالیف محمد عبید اللہ الاسعدی، نظرِ ثانی و تقریظ حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی ص ۴۴)

نیز دیکھئے محمد ارشاد القاسمی (دیوبندی) کی کتاب: ارشاد اصول الحدیث (ص ۵۰)

۳) اسی مضمون میں آثارِ سلف صالحین (اثر نمبر۲) کے تحت گزر چکا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: لوگوں نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف لکھا، وہ جمعہ کے بارے میں پوچھ رہے تھے تو انھوں نے لکھ بھیجا: تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ص۱۰۲ح ۵۰۶۸ وسندہ صحیح، باب من کان یری الجمعۃ فی القری وغیرہا)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: یہ شہروں اور گاؤں پر مشتمل ہے۔ (فتح الباری ج۲ص۳۸۰)

اس فاروقی حکم کے بارے میں محدثین کرام اور شارحینِ حدیث کے فہم کے مقابلے میں یہ لکھ دینا کہ ''تو دیہات کا لفظ کہیں ثابت نہیں ہے۔'' غلط اور مردود ہے۔

۴) حافظ ابن حزم اندلسی (متوفی ۴۵٦ھ) کے ایک قول کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت کا مدینہ چھوٹے چھوٹے گاؤں پر مشتمل تھا۔

دیکھئے المحلّی (ج۵ص۵۴ مسئلہ نمبر ۵۲۳)

اس کی تائید سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ہوتی ہے، جو ہمارے مضمون کے اسی باب کے نمبر۲ میں گزر چکی ہے۔

بعض الناس نے بغیر کسی صریح دلیل کے ابن حزم پر تنقید کی ہے اور اسے ''ابن حزم کی اندھی تقلید'' قرار دیا ہے۔ عرض ہے کہ عینی حنفی نے یہ قول نقل کر کے اسے تین وجہ سے ''غیر جید'' یعنی اچھا (صحیح) نہیں قرار دیا:

اول: علی رضی اللہ عنہ کا قول، جو کہ مدینہ کو سب سے زیادہ جانتے تھے:

''لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع .''

دوم: امام (خلیفہ) جہاں بھی ہو جمعہ جائز ہے۔

سوم: امام کو اختیار ہے، وہ جسے شہر قرار دے وہ شہر ہے۔ (شرح سنن ابی داود ج۴ص۳۹۳)

عرض ہے کہ ان تینوں دلیلوں سے مدینہ طیبہ کی اُس دور کی بستیوں کی تردید نہیں ہوتی اور خود عینی نے حرہ بنی بیاضہ کو مدینے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تسلیم کیا ہے۔

دیکھئے یہی باب (فقرہ نمبر۲) اور شرح سنن ابی داود للعینی (ج۴ص۳۹۵)

لہٰذا بعد والے لوگوں کا بغیر کسی صریح اور صحیح دلیل کے ابن حزم پر رد غلط ہے۔ واللہ اعلم

۵) مشہور ثقہ تابعی امام زہری رحمہ اللہ کے ایک قول کا خلاصہ یہ ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھو۔ دیکھئے یہی مضمون آثارِ سلف صالحین (نمبر۴)

اس کے بارے میں بعض الناس نے لکھا ہے:

''امام زہریؒ تابعی ہیں اور امام ابوحنیفہؒ بھی تابعی ہیں اور امام ابوحنیفہ خود بھی مجتہد ہیں تو امام زہریؒ کا قول امام ابوحنیفہؒ پر حجت نہیں ہے'' (ایک قلمی مضمون ص ۸)

بعض الناس کا یہ کلام چار وجہ سے مردود ہے:

اول: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے باسند صحیح یہ ثابت نہیں ہے کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا لہٰذا امام زہری اور امام ابوحنیفہ دونوں میں اس مسئلے پر کوئی مخالفت نہیں ہے۔

دوم: امام زہری رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ کسی صحیح صریح دلیل کے خلاف نہیں ہے بلکہ ہمارے ذکر کردہ دلائل اور آثارِ سلف صالحین اُس کے مؤید ہیں۔

سوم: حنفیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری امام ابوحنیفہ کے استاذوں میں سے تھے۔ دیکھئے حدائق الحنفیہ (ص ۴٦)

چہارم: یہ قول امام ابوحنیفہ پر بطورِ حجت پیش نہیں کیا گیا بلکہ حنفیوں اور آلِ دیوبند پر بطورِ الزام پیش کیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ امام زہری رحمہ اللہ کو جلیل القدر تابعی اور اکابر اہلِ سنت میں سے مانتے ہیں لہٰذا امام ابوحنیفہ کے استاذ کے مقابلے میں تمام آلِ دیوبند اور حنفی فقہاء کے فتوے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تنبیہ: کیا امام ابوحنیفہ تابعی تھے یا نہیں تھے؟ اس کا ہمارے حالیہ موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا ہم یہاں فی الحال اس پر کوئی بحث نہیں کرتے۔ راجح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ تابعی نہیں تھے اور اس کا اعتراف خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ثابت ہے۔

اس موضوع پر تحقیق کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۷ ص ۱۸۔۲۲)

٦) بعض الناس نے ابوبکر الجصاص وغیرہ حنفی فقہاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ

''بے شک انھوں نے (فقہاء) نے اجماع کیا ہے کہ جمعہ دیہاتوں اور چھوٹی بستیوں میں جائز نہیں ہے۔'' (ایک قلمی مضمون ص۲)

عرض ہے کہ قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور آثارِ سلف صالحین کے مقابلے میں حنفی فقہاء کا اجماع کوئی حجت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ اجماع وہ حجت ہے جس پر ساری اُمتِ مسلمہ کے تمام اہلِ حق علماء کا اتفاق ہو لہٰذا صرف حنفی فقہاء کا اجماع کوئی دلیل نہیں ہے۔

گاؤں میں جمعہ کے مخالفین کے شبہات اور اُن کے جوابات

آخر میں اُن لوگوں کے شبہات کا خلاصہ اور اُن شبہات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں، جو لوگ گاؤں میں نمازِ جمعہ قائم کرنے کے مخالف ہیں:

۱: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے عرفات میں نمازِ جمعہ نہیں پڑھی بلکہ ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں دو دو کر کے جمع کر کے پڑھیں۔

ظہر وعصر کی مذکورہ جمع بین الصلوٰتین (جمع تقدیم کے ساتھ) کے لئے دیکھئے صحیح مسلم (ح ۱۲۱۸، ترقیم دارالسلام: ۲۹۵۰ باب حجۃ النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)

دو دو رکعتوں کے لئے دیکھئے محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی کی کتاب: حجۃ الوداع (ص۸۲) اور شیخ البانی کی کتاب: مناسک الحج والعمرۃ (ص۲۸ فقرہ: ٦٤)

یہ جمع بین الصلوٰتین کیوں ہے؟ اس کے بارے میں شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے کہا:

''**وهذا الجمع كجمع المزدلفة جمع نسك عندنا**'' اور یہ جمع ہمارے نزدیک حج کی جمع (**جمع نسك**) ہے جیسے کہ مزدلفہ میں (نماز) جمع کی جاتی ہے۔

(فتح الملہم ج۳ ص۲۸٦ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ کراچی)

اس حنفی قول سے ثابت ہو گیا کہ حج کے دن جمعہ نہ پڑھنا بلکہ ظہر وعصر کی دو نمازیں جمع کر کے بطورِ قصر پڑھنا حج کی خصوصیت میں سے ہے۔

دیوبندی اور حنفی فقہاء کے اس استدلال کے مقابلے میں بذل المجہود کے دیوبندی

حوالے کی کوئی حیثیت نہیں ہے بصورتِ دیگر ''مؤدبانہ'' درخواست ہے کہ امام ابوحنیفہ یا امام طحاوی سے باسند صحیح ثابت کریں کہ ''حج والی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں''اور اگر ثابت نہ کرسکیں تو یہ استدلال غلط ہے۔

۲: **كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي إلخ** (صحیح بخاری:۹۰۲)

اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ظہور الباری اعظمی دیوبندی نے لکھا ہے:

''کہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھنے اپنے گھروں سے اور عوالی مدینہ (تقریباً مدینہ سے چار میل دور) سے (مسجد نبوی میں) آیا کرتے تھے۔''

(صحیح بخاری مترجم مع حواشی محمد امین اوکاڑوی دیوبندی ج ا ص ۴۴۱ ح ۸۵۵)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے:

''**أي يجيئون ... وهذا رد على الكوفي الذي لا يوجبها على من كان خارج المصر** '' إلخ یعنی وہ آتے تھے...اور یہ اُس کوفی کا رد ہے جو شہر سے باہر جمعہ کو واجب قرار نہیں دیتا۔ الخ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ۲ ص ۴۸۲)

اس حدیث میں **الناس** سے مراد مدینہ کے لوگ اور عوالی کے لوگ ہیں جیسا کہ الفاظِ حدیث سے ظاہر ہے۔ نیز دیکھئے بذل المجہود (ج ٦ ص ۲٦)

کیا خیال ہے کہ مدینہ کے لوگوں پر بھی جمعہ فرض نہیں تھا، جو وہ باری باری آتے تھے؟ اگر اہلِ مدینہ پر جمعہ فرض تھا تو پھر اس حدیث سے عوالی (دیہات) میں جمعہ فرض نہ ہونے پر استدلال غلط ہے۔

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے کہ مصنف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ شہر سے باہر عوالی اور دیہات والوں پر جمعہ واجب ہے الخ (بذل المجہود ج ٦ ص ۲٦)

اور بعد میں سہارنپوری نے مصنف (یعنی محدث اور راویٔ حدیث) کا رد کیا ہے لیکن عرض ہے کہ محدثینِ کرام کے مقابلے میں چودھویں صدی والے دیوبندیوں کی کون سنتا ہے؟

تنبیہ: اس حدیث کی کسی سند میں یہ ثابت نہیں ہے کہ اہلِ مدینہ اور عوالی والے جب

مسجد نبوی میں حاضر نہ ہوتے تو اپنی مسجدوں میں نمازِ جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ اگر کسی شخص کا خیال ہے کہ وہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے تو وہ دلیل پیش کرے۔

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر کے مقابلے میں یہاں علامہ قرطبی کی تحقیق زیادہ راجح ہے کیونکہ ظاہر قرآن، احادیثِ صحیحہ اور آثارِ سلف صالحین اُن کے مؤید ہیں۔

بعض الناس نے لکھا ہے کہ ''تو جو لوگ باری باری آتے تھے ان میں جو پیچھے رہ جاتے وہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے جیسا کہ جواثا والی حدیث سے ثابت ہے'' الخ

عرض ہے کہ صحیح سند کے ساتھ ینتابون کا زمانہ (مہینہ، سال) اور جواثا والی حدیث کا زمانہ ثابت کریں ورنہ یہ استدلال غلط ہے۔

کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے آنے والے یہ لوگ صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے آتے تھے اور اُن کا مقصد نبی کریم ﷺ کی صحبتِ بابرکت سے فائدہ اٹھانا اور مسجد نبوی میں نمازوں کا ثواب حاصل کرنا نہیں تھا۔

کاش کہ ہمیں بھی وہ مبارک دور ملتا تو مسجدِ نبوی کی طرف سفر کر کے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے اور آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کی بابرکت صحبت سے مستفید ہوتے۔

۳: عید والے دن نمازِ عید کے بعد لوگوں کو نمازِ جمعہ کی رخصت دینا ایک خاص بات ہے اور اہلِ حق کا اس پر عمل ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عید اور جمعہ اکٹھے دن کے علاوہ دوسرے جمعہ کے دنوں میں گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے یا اُن کے لئے نماز جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

خاص دلیل کو عام دلیل کے مقابلے میں ٹکرا کر عام کو ختم کر دینا غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ خاص مسئلے میں خاص دلیل پر اور اس کے علاوہ باقی مسائل میں عام دلیل پر عمل جاری رہتا ہے۔ مثلاً نماز میں (حنفیوں کے نزدیک) قراءت فرض ہے لیکن جو گونگا شخص قراءت کر ہی نہیں سکتا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ باقی تمام لوگوں پر قراءت (قراءتِ فاتحہ) فرض ہے اور گونگا مجبور محض ہونے کی وجہ سے اس عموم سے خارج ہے۔

اگر گونگے پر استدلال کر کے کوئی شخص مطلقاً قراءت کی فرضیت کا انکار کر دے تو حنفیہ اور آلِ دیوبند کے نزدیک بھی یہ غلط ہے۔

٤: قبا میں دس روز قیام والی حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے جمعہ نہیں پڑھا تھا اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ نہیں پڑھا تھا تو عرض ہے کہ اُس وقت آپ مسافر تھے اور مسافر پر (ہمارے اور آپ کے نزدیک) بالاتفاق جمعہ فرض نہیں ہے لہٰذا اس واقعے سے استدلال غلط ہے۔

بعض الناس نے لکھا ہے کہ ''امام ابراہیم نخعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ دیہات میں جمعہ کے قائل ہی نہیں تھے۔'' (ص١٢)

عرض ہے کہ امام ابوحنیفہ سے یہ مسئلہ باسند صحیح ثابت ہی نہیں ہے اور رہ گئے ابراہیم نخعی اور قاضی ابو یوسف کے اقوال تو ان کی صحیح سندیں پیش کریں اور اگر صحیح سندیں پیش نہ کر سکیں تو یہ مذکورہ کلام غلط ومردود ہے۔

کتاب الآثار نامی کتاب محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۵۵ ص ٣٦)

ابن فرقد مذکور کی توثیق کسی معتبر امام سے ثابت نہیں ہے بلکہ امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، امام عمرو بن علی الفلاس اور امام ابوزرعہ الرازی وغیرہم جمہور محدثین سے اُس پر جرح ثابت ہے۔ دیکھئے الحدیث: ۵۵ (ص ٢٨)

لہٰذا کتاب الآثار کا حوالہ بے کار ہے۔

بعض الناس نے حسن بصری اور محمد بن سیرین کے بارے میں آثار السنن (تقلیدی کتاب) کا حوالہ دیا ہے (کہ ان دونوں نے فرمایا: **الجمعة في الأمصار** [جمعہ شہروں میں ہے])

عرض ہے کہ ان آثار کی سند ضعیف ہے۔ ان کے راوی ہشام بن حسان مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (طبقہ ثالثہ ۳/۱۱۰ ص ٦۵)

اور مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، ماسٹر امین اوکاڑوی کے استاد سرفراز

خان صفدر دیوبندی نے کہا:

''مدلّس راوی عَنْ سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں....'' (خزائن السنن ج ا ص ا)

ایک روایت کے بارے میں امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:

''یہ حدیث سنداً (سند کے اعتبار سے) ضعیف ہے کیونکہ ابوزبیر مدلس ہے اور عن سے روایت کررہا ہے....'' (جزء رفع الیدین بحاشیۃ اوکاڑوی ص ۳۱۸ ح ۵۶)

۵: اہلِ قبا کا نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر آپ کے پیچھے نماز پڑھنا، اس کی دلیل نہیں ہے کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا۔

٦: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جمعہ کو قباء سے (مدینہ میں) حاضر ہوں۔ (ترمذی صفحہ ۲۲٦ حدیث نمبر ۵۰۱)

اول: اس کا راوی ثویر بن ابی فاختہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا:

''ضعیف رمی بالرفض'' ضعیف ہے، اُسے رافضی قرار دیا گیا ہے۔

(تقریب التہذیب ج ا ص ۲۰۳ ترجمہ نمبر ۸٦۲)

ضعیف رافضی کی روایت مردود ہوتی ہے۔

دوم: رجل من اہل قباء مجہول ہے۔

دوسرے یہ کہ اس ضعیف و مردود روایت سے بھی گاؤں میں جمعہ نہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور سنن ترمذی کے مجہول محشی کی بات بے دلیل ہے۔

۷: ایک روایت میں آیا ہے: ''**خمسة لا جمعة علیهم: المرأة والمسافر والعبد والصبی وأهل البادیة**'' پانچ آدمی ہیں جن پر جمعہ (واجب) نہیں ہے: عورت، مسافر، غلام، بچہ اور اہل دیہات (رواہ الطبرانی فی الاوسط) ج ا ص ۱٦۱، ۱٦۲ ح ۲۰۴

عرض ہے کہ اس روایت میں دو راوی ضعیف ہیں:

اول: ابراہیم بن حماد بن ابی حازم المدینی کو امام دارقطنی نے الضعفاء والمتروکون میں شامل کیا ہے۔ دیکھئے امام دارقطنی کی کتاب: الضعفاء والمتروکون (ص ۱۱۰ ت ۲۸)

نیز دیکھئے لسان المیزان (ج ا ص ۵۰، دوسرا نسخہ ج ا ص ۴۷)
اور کسی نے اس راوی کو ثقہ یا صدوق نہیں کہا۔

دوم: احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین بن سعد المصری جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح راوی ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (ج ا ص ۲۵۷، ۲۵۸، دوسرا نسخہ ص ۳۸۹)
ایسی ضعیف و مردود روایت پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟!

۸: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''**لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع .**''
(فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۰)

عرض ہے کہ اس موقوف روایت اور اثر سے دیوبندیوں کا استدلال پانچ وجہ سے غلط ہے:

اول: مصر جامع کسے کہتے ہیں؟ اس کا کوئی ثبوت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نہیں ملتا۔ لغت بھی اس کی تشریح سے خاموش ہے۔

حنفیوں کی کتاب الہدایہ میں بغیر کسی سند کے قاضی ابو یوسف سے نقل کر کے لکھا گیا ہے کہ
''**والمصر الجامع كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود**''
اور مصر جامع ہر وہ موضع ہے جس میں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرے اور حدود قائم کرے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۶۸، باب صلوٰۃ الجمعۃ)

اس تعریف و تشریح کے لحاظ سے پاکستان کے شہروں میں بلکہ اسلام آباد میں بھی جمعہ نہیں ہوتا (!) کیا خیال ہے؟!

براہِ مہربانی! پاکستان کا وہ شہر بتائیں جہاں شرعی احکام اور شرعی حدود نافذ ہیں ورنہ اس اثر سے استدلال نہ کریں۔

دوم: دیوبندی اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس اثر میں **لا** سے مراد نفی وجوب و فرضیت مراد ہو سکتی ہے لہٰذا اس سے گاؤں میں نمازِ جمعہ کے جواز کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ کفایت اللہ دہلوی دیوبندی نے لکھا ہے: ''**لا جمعة ولا تشريق الخ** حنفیہ نے اس میں **لا** سے نفی صحت مراد لی ہے مگر محتمل ہے کہ نفی وجوب مراد ہو۔'' (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۹۶ جواب نمبر ۳۷۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر اشرف علی تھانوی دیوبندی کے علم میں تھا۔
دیکھئے القول البدیع فی اشتراط المصر للتجمیع (ص ٦١)
حضرو (بہبودی) کے رہنے والے قاری سعید الرحمٰن دیوبندی نے اپنے باپ عبدالرحمٰن کاملپوری دیوبندی سے نقل کیا کہ جہاں جمعہ کی اکثر شرائط (جو حنفیہ کے ہاں ضروری ہیں) مفقود ہوتیں اس کے بارے میں تھانوی نے کہا:
''ایسے موقعہ پر فاتحہ خلف الامام پڑھ لینا چاہئے تا کہ امام شافعیؒ کے مذہب کے بناء پر نماز ہو جائے'' (تجلیاتِ رحمانی ص ٢٣٣ عنوان: مسئلہ اسقاط)

معلوم ہوا کہ تھانوی کے نزدیک مذکورہ اثر نفی صحت نہیں بلکہ نفی کمال پر محمول ہے۔
سوم: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مقابلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول زیادہ راجح ہے، کیونکہ ظاہر قرآن، احادیث صحیحہ اور دیگر آثار اُن کے مؤید ہیں۔
چہارم: خود حنفیہ اور آلِ دیوبند کا اس اثر پر عمل نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ بے شمار دیہات میں جمعہ پڑھتے ہیں بلکہ دھڑلے سے پڑھتے ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حنفی اور دیوبندی عوام نے اپنے ''فقہاء'' اور مولویوں کے خلاف بغاوت کردی ہے۔!
پنجم: امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر پہلے باب میں لکھا ہے۔
(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ٢ ص ١٠١ ح ٥٠٥٩)

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اثر بعد والے باب: ''من کان یری الجمعة فی القری وغیرھا'' میں لکھا ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ٢ ص ١٠٢ ح ٥٠٦٨)
عام دیوبندیوں کا یہ اصول ہے کہ اگر محدث بعد میں کوئی روایت لے آئے تو وہ ناسخ اور پہلی منسوخ ہوتی ہے لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر منسوخ ہے۔

٩: عن حذیفة رضي اللہ عنه قال: ''لیس علی أھل القری جمعة ، إنما الجمعة علی أھل الأمصار'' سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دیہات والوں پر جمعہ نہیں، جمعہ تو شہر والوں پر ہے۔ (عینی شرح بخاری، اوجز المسالک)

عرض ہے کہ یہ قول معمولی اختلاف کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ص ۱۰۱ ح ۵۰۶۰) میں موجود ہے اور تین وجہ سے ضعیف ہے:

اول: حماد بن ابی سلیمان مدلس راوی تھے۔ دیکھئے الکامل لابن عدی (ج ۲ص ۶۵۳ وسندہ صحیح) طبقات المدلسین لابن حجر (۲/۴۵)

تحقیق راجح میں حماد طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے اور یہ روایت معنعن ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

دوم: حماد بن ابی سلیمان کا آخری عمر میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔

دیکھئے مجمع الزوائد (ج ۱ص ۱۱۹، ۱۲۰، کتاب العلم باب فی طلب العلم)

حماد مذکور کے شاگرد عمر بن عامر کا حماد سے سماع قبل از اختلاط معلوم نہیں ہے بلکہ حافظ ہیثمی نے بتایا کہ حماد کی صرف وہی روایت مقبول ہے جو اُن کے قدیم شاگردوں: شعبہ، سفیان ثوری اور ہشام الدستوائی نے بیان کی ہے۔ (ایضاً ملخصاً)

سوم: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ۳۶ھ میں فوت ہوئے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۱۵۶) اور ابراہیم نخعی تقریباً ۴۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۲۷۰)

معلوم ہوا کہ یہ سند ضعیف ہونے کے ساتھ سخت منقطع بھی ہے۔

۱۰: متاخرین میں سے ابوبکر الجصاص (حنفی) کی احکام القرآن کے بے سند حوالے مردود ہیں۔

۱۱: شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی کا قول کئی وجہ سے مرجوح اور نا قابلِ حجت ہے:

اول: یہ آثارِ سلف صالحین کے خلاف ہے۔

دوم: اتفاق اور اجماع کا دعویٰ غلط ہے۔

سوم: **لا** سے مراد فرضیت کی نفی ہے، جو کہ جواز کے منافی نہیں اور یہ ثابت ہے کہ عوالی والے نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لاتے تھے۔

بعض الناس نے آخر میں امام ابوحنیفہ کی تابعیت، قاضی ابو یوسف کی تعریف اور امام بخاری وغیرہ کے بارے میں فلسفیانہ کلام لکھا ہے، جس کا موضوعِ جمعہ سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا

ہم اسے یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔ نیز دیکھئے الحدیث (عدد ۷ اص ۱۸۔۲۲)

شیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان السعودی کے فتاویٰ میں سوال نمبر ۲۹۷ کے جواب میں لکھا ہوا ہے کہ ''علماء کے دو اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ عام نمازوں کی طرح نمازِ جمعہ کے لئے کوئی خاص تعداد مشروط نہیں ہے کیونکہ نمازِ جمعہ کی تعداد کی حد بندی کے لئے کوئی خاص دلیل ثابت نہیں ہے، پس یہ نماز عام نمازوں کی طرح منعقد ہو جاتی ہے جیسے جماعت ہو جاتی ہے، اگر وہ لوگ کسی خاص مقام میں عام عادت کے مطابق رہتے ہوں، جہاں سکونت اور دوام ہو۔ اور علماء کے دو اقوال میں سے یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم'' (المنتقیٰ من فتاویٰ صالح الفوزان ج ۲ ص ۲۳۵ مترجماً)

[ختم شد ۱۹/ جون ۲۰۰۹ء]

ایک گستاخ عیسائی کا انجام

محمد ارشد کمال

شیخ جمال الدین ابراہیم بن محمد الطیبی نے فرمایا: مغل امیروں میں سے ایک امیر عیسائی ہو گیا تو اس کے پاس عیسائیوں کے بڑوں میں سے ایک جماعت آئی، وہاں (بہت سے) مغل بھی موجود تھے پھر ایک (عیسائی) نے نبی ﷺ کی تنقیص (توہین) شروع کر دی۔ وہاں ایک شکاری کتا بندھا ہوا تھا، پھر جب اُس عیسائی نے بہت زیادہ توہین کی تو کتے نے (رسی تڑوا کر) اُس پر چھلانگ لگائی اور کاٹ کاٹ کر زخمی کر دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا: کتے نے اس لئے حملہ کیا ہے کہ تُو نے محمد (ﷺ) پر کلام کیا ہے۔ وہ بولا: ہرگز نہیں بلکہ یہ کتا اپنے آپ میں بڑا بنتا ہے۔ اُس نے جب مجھے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تو یہ سمجھا کہ میں اُسے مارنا چاہتا ہوں۔ پھر اُس (عیسائی) نے دوبارہ لمبی بکواس شروع کر دی تو اس کتے نے اُس پر دوبارہ حملہ کر دیا اور اس کے حلق کو دبوچ کھایا حتیٰ کہ وہ شخص فوراً مر گیا۔ اس وجہ سے تقریباً چالیس ہزار مغل مسلمان ہو گئے۔ (الدرر الکامنہ للحافظ ابن حجر ج ۳ ص ۱۲۸۔۱۲۹)

حافظ زبیر علی زئی

قربانی کے چار یا تین دن؟

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

دولت نگر (ضلع گجرات) میں جناب خرم ارشاد محمدی صاحب مسلکِ اہلِ حدیث کی تبلیغ اور دعوت کا عظیم کام کر رہے ہیں اور اُن کی مساعی جمیلہ سے اس علاقے میں مسلکِ حق (مسلکِ اہلِ حدیث) خوب پھیل رہا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے: اُن کی محنت سے ڈیڑھ سو (١٥٠) سے زیادہ اشخاص نے تقلید کے اندھیروں سے نکل کر کتاب وسنت کا راستہ اپنایا ہے۔ والحمدللہ

خرم صاحب نے مجھے ایک مفصل خط لکھ کر قربانی کے دنوں کی تحقیق کا مطالبہ کیا تھا لہٰذا میں نے اس خط کے جواب میں ایک تحقیقی مضمون لکھا، جسے بعد میں کئی علمائے اہل حدیث (حفظہم اللہ تعالیٰ) کی خدمت میں بھیج دیا۔ جب کئی مہینوں تک اُن کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر ٢/مئی ٢٠٠٧ء والے مضمون ''قربانی کے تین دن ہیں'' کو خرم صاحب کے مسلسل مطالبۂ اشاعت کے بعد ماہنامہ الحدیث حضرو، عدد: ٤٤ (جنوری ٢٠٠٨ء) میں شائع کر دیا۔ اب کافی عرصے بعد اس تحقیقی مضمون کا ردِ عمل ہفت روزہ اہلحدیث لاہور (جلد ٤٠ شمارہ ٤٧، ٢٨ نومبر تا ١١ دسمبر ٢٠٠٩ء) میں جناب ڈاکٹر (پروفیسر) حافظ محمد شریف شاکر صاحب کے قلم سے بعنوان ''قربانی کے چار دن'' شائع ہوا ہے۔ (ص ١٧۔٢٠)

اس مضمون کے سلسلے میں چند معروضات درج ذیل ہیں:

١: ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے: ''ایام قربانی عید الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن ہیں: اس کے قائل حضرت علیؓ ہیں اور یہی مذہب...'' (ص ١٧)

مؤدبانہ عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ بات کس کتاب میں صحیح یا حسن سند کے ساتھ مذکور ہے؟ حوالہ پیش کریں۔!

حافظ ابن القیم اور علامہ نووی کے اقوال پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک اپنے اقوالِ منقولہ کی کوئی صحیح متصل یا حسن متصل سند پیش نہیں کی اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ان دونوں کی پیدائش سے صدیوں پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ آگے چل کر ڈاکٹر صاحب نے حافظ ابن القیم اور علامہ نووی کے بے سند حوالوں کی بنیاد پر یہ بات بھی لکھ دی ہے کہ ''موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تین دن قربانی والا قول تو نقل کر دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چار دن والا درج ذیل قول کیوں کر مفقود نظر رہا؟؟'' (ص ۱۹)

عرض ہے کہ مفقود کی بات تو بعد میں ہوگی، پہلے آپ اس قول کی صحیح یا حسن سند پیش تو فرما دیں!

۲: پروفیسر صاحب نے لکھا ہے:

''...اور آثار میں بھی اختلاف ہے تو موصوف کو اہل حدیث کے متفق علیہ مسلک'' (ص ۱۷)

عرض ہے کہ کیا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اہلِ حدیث کے مسلک سے باہر تھے جو یہ فرماتے تھے کہ قربانی والے دن کے بعد دو دن قربانی ہے۔ (موطأ امام مالک ج ۲ ص ۴۸۷ وسندہ صحیح)

۳: ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے: ''قواعد حدیث کے مطابق صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے نہ کہ راجح، تو موصوف صحیح سند کے مقابلے میں حسن سند کو کس اصول کے تحت راجح قرار دے رہے ہیں؟؟''

مزعومہ ومبینہ قواعدِ حدیث میں نظر کے علاوہ عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ (وھو حسن) اگر اس کے مقابلے میں آپ کے پاس کوئی صحیح سند ہے تو وہ پیش کریں اور اگر صحیح نہیں ہے تو حسن پیش کریں اور اگر کوئی متصل سند ہے ہی نہیں تو پھر حسن سے نامعلوم صحیح کو ٹکرانا غلط ہے۔

۴: پروفیسر صاحب نے علامہ قرطبی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک چار دن ہیں۔ (ص ۲۰ ملخصاً بعنوان: ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول)

عرض ہے کہ یہ دوسرا قول بے سند ہونے کی وجہ سے غیر ثابت اور مردود ہے، لہٰذا

معارضہ کیسا؟؟ صحیح سند کے مقابلے میں بے سند اقوال پیش کرنے کا آخر فائدہ کیا ہے؟

۵: ڈاکٹر صاحب نے شوکانی یمنی کے حوالے سے لکھا ہے: ''عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ ایام معدودات چار دن ہیں....'' (ص۲۰)

عرض ہے کہ یہ بے سند قول احکام القرآن للطحاوی (۲/۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن) کی اس روایت کے مقابلے مردود ہے، جس میں آیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔''

(دیکھئے الحدیث حضرو: ۴۴ ص ۱۰)

۶: بے سند اقوال والے اس مضمون کے آخر میں پروفیسر صاحب نے لکھا ہے:

''یہ موصوف ہی بتا سکتے ہیں کہ جمہور صحابہ میں کون کون سے صحابہ کرام شامل ہیں؟'' (ص۲۰)

عرض ہے کہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ (صحابی صغیر) کے اثر کے مقابلے میں اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آثار جمہور صحابہ کے آثار نہیں ہیں تو پھر جمہور سے کیا مراد ہے؟

یاد رہے کہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا اثر: ''پھر عید الاضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (تک) کو ذبح کرتے'' (الحدیث: ۴۴ ص ۱۱) کے خود جناب ڈاکٹر اور پروفیسر صاحب بھی قائل نہیں بلکہ چار دنوں کی قربانی کے قائل ہیں، دوسرے یہ کہ یہ اثر مذکورہ بالا جمہور صحابہ کے خلاف ہے۔

۷: پروفیسر صاحب نے لکھا ہے: ''حافظ زبیر علی زئی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''قربانی کے تین دن ہیں'' اور اپنے اس دعویٰ پر انہوں نے پہلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے ابتداء میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا....'' (ص۱۷)

عرض ہے کہ یہ میری پہلی دلیل نہیں بلکہ ذیلی اور تائیدی دلیل ہے، کیونکہ پہلی دلیل تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابۂ کرام کے آثار ہیں اور یہ میرے دعوے کے بالکل مطابق ہیں۔

پروفیسر صاحب کا ذیلی دلیل کو پہلی دلیل قرار دے کر میری طرف منسوب کرنا غلط ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۵/نومبر ۲۰۰۹ء)

ابو معاذ

محمد بن شجاع : ابن الثلجی

ابوعبداللہ محمد بن شجاع عرف ابن الثلجی کے بارے میں (معتدل) امام ابن عدی نے فرمایا: وہ تشبیہ کے بارے میں حدیث گھڑتا تھا (پھر) اسے اصحاب الحدیث سے منسوب کر دیتا تھا تا کہ اُن کی عیب جوئی (توہین) کرے... (الکامل لابن عدی ۲۲۹۳/۶، دوسرا نسخہ ۵۵۱/۷)

امام (عبید اللہ بن عمر بن میسرہ) القواریری رحمہ اللہ نے اپنی وفات سے دس روز پہلے ابن الثلجی کے بارے میں فرمایا: "هو کافر" وہ کافر ہے۔ (تاریخ بغداد ۳۵۱/۵ وسندہ حسن)

امام اسماعیل بن اسحاق القاضی نے یہ فتویٰ سننے کے بعد اس فتوے پر کوئی رد نہیں کیا۔

حافظ ابن الجوزی نے ثلجی مذکور کو کتاب الضعفاء والمتروکین (۷۰/۳) میں ذکر کیا اور المنتظم میں کہا: مگر وہ قرآن کے بارے میں ردی مذہب رکھتا تھا۔ (المنتظم ۲۰۹/۱۲ وفیات ۲۶۶ھ)

حافظ مزی نے کہا: اور وہ جہمیوں میں سے ایک تھا... (تہذیب الکمال ۳۴۴/۶)

حافظ ابوبکر البیہقی نے کہا: اور وہ متعصبین میں سے تھا۔ (الاسماء والصفات ص ۵۶۰، دوسرا نسخہ ص ۴۴۵)

بیہقی نے ثلجی کی ایک روایت کو منکر موضوع کہا۔ (الاسماء والصفات ص ۴۷۱، دوسرا نسخہ ص ۳۷۲)

حافظ ابن حجر نے کہا: " متروك و رمي بالبدعة " (تقریب التہذیب: ۵۹۵۴)

حافظ ذہبی نے کہا: " وهو متروك الحديث " (العبر فی خبر من غبر ۳۸۲/۱ وفیات ۲۶۶ھ)

اس جرح کے مقابلے میں ثلجی کی توثیق کسی امام سے ثابت نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ اس کی موت نمازِ عصر کے دوران سجدے میں ہوئی تھی۔ موت والے اس قصے کے دو راوی ابوالحسن علی بن صالح بن احمد بن الحسن بن صالح البغوی اور ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الہروی دونوں نامعلوم (یعنی مجہول) تھے۔ اس کا اپنے گھر میں ختمِ قرآن کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔ اس قصے میں احمد بن الحسن بن صالح بھی نامعلوم ہے۔ جس راوی پر جمہور محدثین کی جرح ثابت ہو، اُسے فقیہ یا تفقہ اور (نام نہاد) نیک ہونے کے الفاظ ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچاتے۔

اپنے اہل وعیال کو جہنم سے بچنے کی ترغیب دلانا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ (التحریم:۶)

فقہ القرآن: ☆ ایک شخص کی ذمہ داری صرف اپنے ہی نفس کو اللہ کے عذاب سے بچانا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے اہل وعیال کو بھی جہنم سے بچنے کی ترغیب دلانا ضروری ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک حاکم (راعی، نگہبان) ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا، امیر حاکم ہے اور آدمی اپنے گھر والوں کا حاکم ہے، عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں پر حاکم ہے، پس تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (صحیح بخاری:۵۲۰۰، صحیح مسلم:۱۸۲۹)

☆ اپنے گھر والوں کو نیکی کا حکم دینے کے ساتھ ایسا ماحول بھی فراہم کیا جائے کہ جس میں وہ نیکی کی طرف راغب ہوں اور ہر قسم کی بُرائی کو پنپنے سے قبل ہی ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحمت کرے جس نے رات کو جاگ کر نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو جگایا تو اس نے بھی نماز پڑھی، اگر عورت نے (جاگنے سے) انکار کیا تو اس (آدمی) نے اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحمت کرے جس نے رات کو جاگ کر نماز پڑھی اور اپنے خاوند کو جگایا تو اس نے بھی نماز پڑھی، اگر آدمی نے (جاگنے سے) انکار کیا تو اس (عورت) نے اس آدمی کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ (سنن ابن ماجہ:۱۳۳۶، سنن ابی داود:۱۳۰۸، وسندہ حسن)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے (اور نماز نہ پڑھے) تو اسے مارو۔ (سنن ابی داود:۴۹۴ وسندہ حسن)

حافظ زبیر علی زئی

محدثینِ کرام نے ضعیف روایات کیوں بیان کیں؟

اگر کوئی کہے کہ امام اسماعیل بن اسحاق القاضی کی کتاب: فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ میں بہت سی ضعیف روایات ہیں لہٰذا سوال یہ ہے کہ محدثین کرام نے کتبِ صحیحہ کے علاوہ دوسری کتابوں میں ضعیف اور مردود روایات کیوں لکھی ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''**بل أكثر المحدثين فی الأعصار الماضية من سنة مائتين و هلم جرًا إذا ساقوا الحديث بإسناده اعتقدوا أنهم برؤا من عهدته . والله أعلم**''

بلکہ سن دوسو ہجری سے لے کر بعد کے گزشتہ زمانوں میں محدثین جب سند کے ساتھ حدیث بیان کر دیتے تو یہ سمجھتے تھے کہ وہ اس کی مسئولیت سے بری ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم

(لسان المیزان ج ۳ ص ۷۵ ترجمۃ سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۳۵۳، اللآلی المصنوعہ للسیوطی ج ۱ ص ۱۹، دوسرا نسخہ ص ۲۵، تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۷)

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: لیکن (ابونعیم الاصبہانی نے) روایات بیان کیں جیسا کہ اُن جیسے محدثین کسی خاص موضوع کے بارے میں تمام روایتیں بیان کر دیتے تھے تاکہ (لوگوں کو) علم ہو جائے۔ اگرچہ ان میں سے بعض کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی تھی۔ (منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۵)

سخاوی نے کہا: اکثر محدثین خصوصاً طبرانی، ابونعیم اور ابن مندہ جب سند کے ساتھ حدیث بیان کرتے تو وہ یہ عقیدہ رکھتے یعنی سمجھتے تھے کہ وہ اس کی مسئولیت سے بری ہو چکے ہیں۔

(فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ج ۱ ص ۲۵۴، الموضوع)

ان تحقیقات سے معلوم ہوا کہ صحیحین کے علاوہ کتبِ حدیث مثلاً الادب المفرد للبخاری اور مسند احمد وغیرہما میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں، جنھیں سند کے ساتھ روایت کر کے محدثین کرام بری الذمہ ہو چکے ہیں۔ یہ روایات انھوں نے بطورِ حجت و استدلال نہیں بلکہ بطورِ معرفت و روایت بیان کر دی تھیں لہٰذا اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدِ نظر رکھنے کے بغیر صحیحین کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث کی روایات سے استدلال یا حجت پکڑنا اور انھیں بطورِ جزم بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۶/ دسمبر ۲۰۰۹ء)